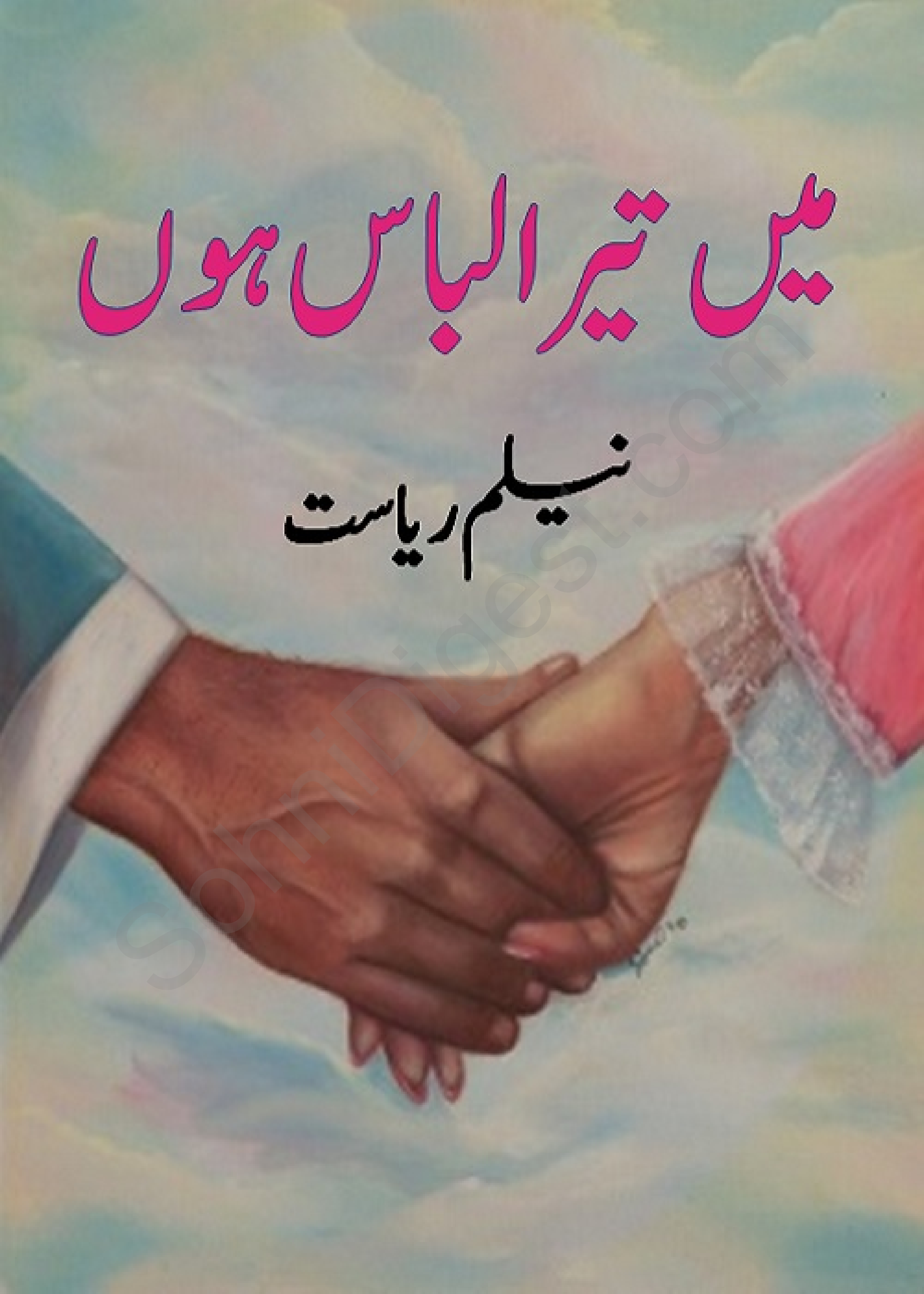
میں تیرا لباس ہوں
نیلم ریاست

ناول

نیلم ریاست

میں تیرا لباس ہوں

زندگی میں دو طرح کے لوگ آپ کو ہر جگہ نظر آئیں گے۔ایک وہ جن کو گھر سے مکمل اعتماد ملتا ہے۔اُنکے ہر کام کے پیچھے اُنکے گھر والوں کی مدد شامل ہوتی ہے۔اگر کبھی غلط فیصلے بھی لے جائیں تب بھی اُنکے خونی رشتے اُنکو چھوڑ نہیں دیتے ہیں۔اعتماد دینے والے ماں باپ ہوتے ہیں۔جن کا انسانی زندگی میں وہی مقام ہے جو کہ ایک انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کا ہوتا ہے۔ریڑھ کی ہڈی جواب دے جائے تو ایک جیتا جاگتا انسان اپاہج ہو جاتا ہے۔نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ کھڑا ہو سکتا ہے، اپنے ہاتھ سے کھانا تک نہیں کھا سکتا، خود کا لباس تبدیل کرنا یا زندگی کی دوڑ میں پورا آنے کے لیے روزمرہ کے کام انجام دینا تو ناممکنات میں سے ہے۔

جن لوگوں کے ساتھ ماں باپ کی جانب سے حوصلہ افزائی، اعتماد اور محبت نہ ہو، وہ زندگی کا ہر قدم لڑکھڑاتے ہوئے اُٹھاتے ہیں۔اُنکو کبھی کسی کی محبت پر یقین نہیں آتا ہے۔

میسم طلال پہلی قسم کے لوگوں میں سے تھا اور جس لڑکی کو اللہ نے اُسکے لیے چُنا، اُسکا شمار دوسری قسم سے تھا۔پچھلے ایک سال سے اُس نے نا جانے کتنی مرتبہ اپنے کیس کو اپنے سامنے رکھ کر پڑھا تھا۔ایک ایک لائن، ایک ایک حرف پڑھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ "رباب عالم نے جو فیصلہ لیا اُسکے پیچھے میسم طلال کی

کوئی غلطی نہ تھی۔رُباب عالم کی زندگی میں ہونے والے اُس ایک حادثے کی غلطی تھی جس حادثے نے دونوں کوایک کیا تھا۔" یہ بات سمجھ جانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اب اُسکو رُباب پر غصہ آنا بند ہو گیا تھا یا میسم طلال نے اپنی صورتحال سے سمجھوتا کرلیا تھا۔اسکو آج بھی پہلے دن جتنا ہی غصہ تھا۔آخر کیا سوچ کر وہ یہ سب کرگئی۔اب اُسکی جنگ صرف اُسکے اندر تک محدود ہو چکی تھی۔اسکو شکوہ رُباب عالم سے تو تھا ہی مگر اب خود اپنے آپ سے بھی شکایت تھی۔

اگر رُباب عالم ایک عورت ہونے کے باوجود ایک مہینہ اُس کے ساتھ کے گزار کر بھی ذہنی اور دلی طور پر اُسکو قبول نہ کر پائی تو وہ مرد ہو کر کیسے پہلے ہی مقام پر گھٹنے ٹیک گیا۔چلو بات اگر رُباب کی موجودگی میں اُسکے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر فدا ہونے کی ہوتی تو ٹھیک بھی تھا۔یہ کیا کہ اُسکو چھوڑ کر گئے اتنا عرصہ بیت گیا اور میسم طلال آج بھی اُسی مقام پر کھڑا ہے جہاں وہ چھوڑ کر گئی تھی۔اگر عورت زیادہ کمپرومائیز کرنا جانتی ہے تو وہ ہر روز خود سے پوچھتا کہ کیا میں اس قابل بھی نہ تھا کہ وہ میری خاطر اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرتی۔کیا جو کچھ اسکے ساتھ ہوا تھا اُس میں میرا قصور نکلتا تھا؟

اُس دن صبح سردی معمول سے زیادہ تھی۔آج اُسکا چوتھا پیپر تھا اس لیے صبح جلدی اُٹھ کر تیار ہو گیا۔رُباب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔اسکو آرام کرنے کا بول کر وہ نیچے آ گیا۔خدیجہ بیگم نے اُسے دیکھتے ہی میز پر کھانا لگا دیا۔میسم اپنی گاڑی پر جاتا تھا جبکہ اُس سے چھوٹی ملیحہ کے لیے وین لگی ہوئی تھی۔اسلیے ملیحہ روز اُس سے آدھا گھنٹہ پہلے جاتی تھی۔ وہ کُرسی گھسیٹ کر بیٹھا۔اور ناشتے سے انصاف کرنا شروع کیا۔

"آج رُباب تمہارے ساتھ نیچے نہیں آئی؟"

"امی مجھے اُسکی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔شاید ٹھنڈ لگ گئی ہے۔میں واپس آجاؤں تو پھر ڈاکٹر کے پاس لے جاؤنگا۔تب تک پلیز آپ اُسکو دیکھ لیں۔"

"ارے۔۔۔یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے۔تم بے فکر ہو کر جاؤ۔نا جانے تمہیں آتے ہوئے کتنی دیر لگ جائے۔میں ڈاکٹر شمسہ کو فون کرتی ہوں۔ہسپتال جانے سے پہلے رُباب کو دیکھ جائیں۔دوا کی ضرورت ہوئی تو ڈرائیور لا دے گا۔"

”چلیں جیسے آپ مناسب سمجھیں۔۔۔میں تو چلا۔۔۔۔“

وہ اپنی فائل اور گاڑی کی چابی وغیرہ لیکر نکل گیا۔

خدیجہ نے اُسکو اللہ کے سپرد کیا اور ملازمہ کو برتن سمیٹنے کا بول کر خود اوپر آ گئیں۔۔۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی انہیں شدید جھٹکا لگا۔رُباب کی آواز واش روم کے کھلے دروازے سے آ رہی تھی جہاں وہ قے کرتے ہوئے، ساتھ ساتھ زاروقطار رو بھی رہی تھی۔ ہکا بکا سی خدیجہ تیزی سے آگے بڑھیں۔کموڈ پر جھکی ہوئی رُباب کی کمر سہلاتے ہوئے انہوں نے نرمی سے اسے تسلی دی۔

”روتے نہیں بیٹا۔۔۔اٹھو کلی کر کے پانی پیو۔میسم کا اندازہ ٹھیک ہی ہے۔تمہیں یقیناً ٹھنڈ لگ گئی ہے۔میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔ساتھ تمہارے لیے انڈے وغیرہ بنواتی ہوں۔کل شام جب تم لوگ دعوت پے گئے ہو اُس وقت اتنی ٹھنڈ کے باوجود تم نے کوئی جرسی وغیرہ نہیں پہنی تھی۔وہیں سے اثر ہوا ہوگا۔“

وہ اُسکو اپنے ساتھ لگائے اندر کمرے میں لے آئیں جہاں وہ بے حال سی ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

ڈاکٹر آئیں مگر بالکل ہی توقع کے برعکس خبر دیکر گئیں۔

خدیجہ بہو کی گود ہری ہونے کی خبر سُن کر پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ڈاکٹر شمسہ حالانکہ اُنکی دوست اور محلے دار بھی تھیں مگر پھر بھی یہ خوش خبری سُنانے پر اُنہوں نے ڈاکٹر کو نیا جوڑا اور پانچ ہزار کیش دیکر رُخصت کیا۔اُنکا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی کہ ابھی شوہر اور بچوں کو فون کر کے سب بتا تیں مگر ساری توجہ رُباب نے کھینچ لی جو ہچکیوں سے روئے جا رہی تھی۔خدیجہ کا دل بیٹھنے لگا۔

”کیوں خود کا ہلکان کر رہی ہو؟ کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔۔۔میں تمہاری ماں ہی ہوں۔“

وہ تڑپ کر رہ گئیں تھیں جب جواب میں رُباب نے اُنکے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”پلیز میری مدد کریں۔میں ایسے زندہ نہیں رہ سکتی ہوں۔میرا دم گھٹتا ہے۔میں مر جاؤ نگی۔مجھے اپنے وجود سے گھن آتی ہے۔میرا دل کرتا ہے۔میں اپنے آپ کو ختم کر دوں۔میں یہ بچہ نہیں رکھ سکتی ہوں۔“

”دیکھو بیٹی میں سب سمجھتی ہوں۔تم پریشان ہو اور ابھی حالات کو قبول نہیں کر پائی ہو۔مجھے تمہاری آنکھوں کی ویرانی پریشان بھی کرتی ہے۔پر بیٹے جو کچھ ہوا ہے، اُس میں ہم لوگوں کی تو کوئی غلطی نہیں ہے۔میسم بھی کسی

غلط جذبے کے تحت تمہارے گھر نہیں گیا تھا۔"

وہ اُنکی بات کاٹ کر درمیان میں چیخی۔۔۔

"میرے سامنے اُنکا نام بھی مت لیں۔آپ نے انکی شکل دیکھی ہے۔ایسے سب کے سامنے ہشاش بشاش نظر آتے ہیں جیسے میری اُنکے ساتھ پسند کی شادی ہے۔اُنکے سارے دوست میرے بھی یونیورسٹی فیلو ہیں۔وہ لوگ مجھ پر ہنستے ہونگے کہ اپنی مرضی اور ماں باپ کی مخالفت سے میں نے یہ شادی رچائی ہے۔لوگ تو یہی سمجھیں گے۔میرا انکے ساتھ پہلے سے ہی تعلق تھا۔کون میری بات کا یقین کرے گا۔آخر انکو میرے پیچھے میرے گھر آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔میری زندگی تو پہلے ہی ختم ہوگئی تھی۔وہ بھی صرف آپکے بیٹے کی وجہ سے ہوا تھا۔بلکہ میری اپنی غلطی تھی۔مجھے اُس رات وہیں اکیلے اکڑ کر مر جانا چاہیے تھا۔مگر انکی مدد قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔مجھے اپنے ابو کی مخالفت مول لیکر گھر سے آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔میرے ساتھ یہ کیا ہوگیا ہے؟ پلیز آپ مجھے بتائیں کیا میں کوئی بری لڑکی ہوں۔۔۔؟"

خدیجہ نے اُسکو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

"تم تو اتنی نیک دل لڑکی ہو۔دیکھو اب گزری سب باتوں کو بھول جاؤ۔اللہ پاک تمہیں ماں کے رُتبے پر فائز کر رہا ہے اور یہ بڑی مقدروں کی بات ہے۔یوں رو دھو کر اس نعمت کی ناشکری نہیں کرتے ہیں۔تم نے جب کوئی غلط کام کیا ہی نہیں ہے تو لوگوں کی پرواہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔سب سے اہم بات تمہارا شوہر تمہاری فکر کرتا ہے۔ابھی جانے سے پہلے مجھے تمہارا خیال رکھنے کی تاکید کر کے گیا ہے۔"

"مجھے اُنکی فکر چاہیے، نہ وہ چاہیے۔۔۔میں اس آدمی کے ساتھ مزید ایک پل نہیں رہ سکتی۔پلیز مجھے جانے دیں۔"

"اچھا رونا تو بند کرو۔میسم آتا ہے تو میں اُسکو کہتی ہوں۔وہ تمہیں تمہاری امی سے ملوا لائے۔"

"وہ مجھے کہیں بھی نہیں جانیں دیں گے اور میں بے قصور ہوتے ہوئے بھی اس قید خانے میں مروں گی۔ اُنکے بچے پیدا کرونگی۔جس زندگی نے مجھے اتنے دنوں میں تھکا دیا ہے۔آپ لوگ چاہتے ہیں۔میں یہ جھوٹ، فریب کی زندگی اس لیے جیتی جاؤں کہ جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔میں نہیں رہوں گی نہ ہی ایسا بے معنی تعلق جیوں گی۔

آپکا بیٹا آئے تو بتا دیجئے گا۔ مجھے اُنکے ساتھ نہیں رہنا۔ اگر میری بات نہ مانی تو میں خود کو اور اس بچے کو ختم کر دونگی۔"

خدیجہ اُسکا جنونی انداز دیکھ کر ڈر گئیں تھیں۔ اُسی وقت اُسکو تیار کروا کر ڈاکٹر شمسہ کے کلینک پر لیجا کر اس کا سارا تفصیلی معائنہ کروایا اور شمسہ کی بتائی گئی احتیاط کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُنہوں نے وہ فیصلہ لے لیا جو کہ عام حالات میں شائد ہی لیتیں۔

☆......☆......☆

جلد گھر واپس آنے کی کوشش کے باوجود وہ دن ڈھائی بجے گھر پہنچا تھا۔

سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ کمرہ صاف ستھرا اور خالی تھا۔ جس کی تلاش میں وہ وہاں آیا تھا وہ وہاں نہیں تھی۔ پھر اُس نے سارا گھر دیکھ لیا مگر اُسے ملنا تھا نہ ملی۔

خدیجہ نے مختصر کہہ دیا۔

"وہ چلی گئی ہے۔"

"کیا مطلب چلی گئی ہے؟"

"وہی مطلب ہے جو بنتا ہے۔ وہ یہاں مزید رہنا نہیں چاہتی تھی۔ اسلیے واپس چلی گئی ہے۔"

وہ اپنی جگہ تھم کے رہ گیا۔ بے یقینی سے ماں کا چہرہ پڑھا جو کچھ بھی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

"امی میرے علاوہ اس وقت اُسکا کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"یہ تو اب وہ خود ہی جانے۔۔۔ مجھے تو بس اتنا کہا کہ جا رہی ہوں اور مزید کچھ کہے بغیر نکل گئی۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

وہ رات تک پاگلوں کی طرح اُسکا نمبر ٹرائی کرتا رہا تھا جو مسلسل بند جا تا رہا۔ کسی خیال کے تحت اُس نے اپنے کمرے کی الماریاں کھول کر دیکھیں۔ رُباب کے کپڑے جوتے وہیں ویسے کے ویسے ہی رکھے تھے۔ جو دیکھ کر تسلی ہوئی مگر کچھ چیزیں غائب تھیں۔ جیسے کہ واش روم سے اُسکا ٹوتھ برش، کپڑے جو وہ عام پہننے والے کپڑے علیحدہ سے رکھتی تھی، وہ بھی غائب تھے۔ اسکے علاوہ بیڈ روم سلیپر، باتھ گاؤن، اندرونی خانے میں رکھا اُسکا

شناختی کارڈ اور نکاح نامہ وغیرہ سب غائب تھے۔

اسی دوران اُسکی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر پرفیوم کی شیشی کے نیچے پڑی سفید چٹ پر پڑی۔

اُسکے اندر سے آواز آئی تھی جس کے مطابق وہ سفید چٹ خطرناک تھی۔

اس پر مختصر سی تحریر درج تھی۔

”زبردستی اور غلط فہمی کی بنیاد پر قائم ہونے والے رشتے تاعمر نہیں چل سکتے۔کم از کم میں اس قدر تھرڈ کلاس تعلق کو قائم نہیں رکھ سکتی ہوں۔اسلیے جہاں سے آئی تھی، وہیں جارہی ہوں۔میرے پیچھے مت آنا۔۔۔۔۔“

دماغ میں غصے کی ایک شدید لہر اُٹھی تھی۔اُس نے کمرے کی ہر چیز اُٹھا کر یہاں وہاں پھینک دی۔اس قدر توہین کا تو اُس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازوں پر خدیجہ اور ملیحہ بھاگتی ہوئی آئیں۔آگے کمرے کا حشر دیکھ کر دل تھام لیے۔

کمرے کے وسط میں وہ سُرخ آنکھیں لیے کھڑا تھا۔ماں کو دیکھتے ہی پھٹ پڑا۔۔۔۔

”میں نے مرد ہوتے ہوئے بھی اپنی انا اور غصہ ایک طرف رکھ کر اسکو عزت دی۔محبت دی۔۔۔رشتے کا تقدس نبھایا اور وہ مجھے چھوڑ کر واپس اُنکے پاس چلی گئی ہے جنہوں نے اُسکو دو کوڑی کا کر کے اپنے گھر سے نکالا تھا۔جب یہ جارہی تھی آپ نے مجھے تب فون کر کے کیوں نہیں بتایا۔میں خود جا کر اُسکو دفع کر آتا۔“

غصے کی حالت میں جو جو اُسکے منہ میں آتا گیا وہ بولتا چلا گیا اور دوسرے افراد خاموشی سے سُنتے رہے۔کسی کے بس میں کچھ ہوتا تب بات اور ہوتی۔خدیجہ کے دل پر بڑا بوجھ تھا۔اُنکے لیے میسم کو اس حالت میں دیکھنا آسان نہ تھا۔مگر اسکے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

پیپر ختم ہوگئے۔یونیورسٹی چھوٹ گئی۔طلال کے کہنے پر اُس نے اُنکے ساتھ، اُنکی ایڈورٹائیزنگ ایجنسی سنبھال لی۔ذہنی کشمکش سے نپٹنے کے لیے اُس نے خود کو مصروف کرلیا۔دوستوں سے دوری ہوگئی سوائے ایک فیصل کے جو کہ اپنے نام کا ایک ہی ڈھیٹ تھا۔میسم نے اُسکے ساتھ بھی سرد مہری برتی مگر وہ پیچھے نہیں ہٹا۔حالانکہ میسم ہر بات کے جواب میں اُسکو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔فیصل ہی کیا وہ تو ہر انسان سے ناراض ہوگیا تھا۔

خود اپنے آپ سے، وہ سب سے زیادہ خفا تھا۔

آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کیونکہ ہر دفعہ اپنے آپ سے نظر ملنے پر وہ خود سے یہی ایک سوال پوچھتا۔۔۔

"کیوں اُسکو ایک دم سے خاک سے اُٹھا کر عرش پہ بیٹھا دیا؟ کیوں رُباب عالم کے لیے بلا جھجک دل کے دروازے واہ کیئے؟ وہ آئی۔۔۔ آتے ہی چھا گئی۔۔۔ اور اپنے پیچھے کبھی نہ ختم ہونے والا خلا چھوڑ کر غائب ہو گئی۔ اُس نے گھر میں اس حوالے سے بات کرنا بند کر دی کیونکہ اس طرح وہ جتانا چاہتا تھا کہ اُسے بھی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر راتوں کو سو نہ پاتا تھا۔ اپنے پہلو میں دل وہی نرم خوشبو بھرے وجود کا لمس ڈھونڈتا جواب وہاں نہیں تھا۔

تنگ آ کر اُس نے اپنا کمرہ چھوڑ دیا اور نیچے گیسٹ روم میں شفٹ ہو گیا۔

مگر اُس کے اور رُباب کے کمرے کی ہر چیز ویسی کی ویسی ہی پڑی رہی۔ کسی نے نہیں پوچھا اپنے کمرے میں کیوں نہیں سوتے ہو یا پہلے کی طرح ہنسنا بولنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اسکی مضبوطی کی دیوار کتنی کمزور تھی۔ ماں باپ کو تب اندازہ ہوا جب اُسکو موسمی تبدیلی کی وجہ سے بخار نے آن لیا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں ماں سے ایک ہی تقاضہ کرتا رہا۔

وہ چاہتا تھا۔ خدیجہ کسی بھی طرح اُسکی رُباب کے ساتھ ایک ملاقات کروا دیں۔ یہی بات اُس نے ہوش میں آنے کے بعد خدیجہ سے کہی مگر وہ اگر اپنی جگہ مجبور نہ ہوتیں تو بیٹے کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتی نہ رہتیں۔ اگر ایک طرف میسم تھا تو دوسری جانب میسم کی اولاد۔۔۔

وقت پہلے کبھی کسی کے انتظار میں رُکا ہے جو اب رُکتا۔ وہ اُسی طرح بھاگتا رہا۔ گزرتے لمحوں پر اپنے نشانات چھوڑتا ہوا۔ اپنی دھن میں مست من موجی۔۔۔۔

اس دوران وہ شاید سمجھوتا کر چکا تھا اور رُباب کے پیچھے نہ جانے کی تو اُس نے خود سے قسم کھائی ہوئی تھی۔

یہ الگ بات کہ ہر رات تنہائی میں بیٹھ کر سونے سے پہلے وہ اپنے فون پر سکائپ، فیس بک، ٹوئٹر، انسٹگرام، ہر جگہ سرچ انجن میں رُباب عالم لکھتا اور گھنٹوں بیت جاتے ایک آئی ڈی سے دوسری آئی ڈی چھانتے مگر آج تک کامیابی نہیں ہوئی۔

اُس نے رُباب کی کلاس فیلوز کی آئی ڈیز کے ذریعے میوچل فرینڈز میں ڈھونڈا۔ وہاں جو لنک ملا اُسکی لاسٹ اپ ڈیٹ پوسٹ دو سال پُرانی تھی۔ اُس نے اپنی آفس کی پروفائل سے وہاں میسج بھیجا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ یہاں تک کہ اُس نے رُباب کے بھائی کی ساری پروفائل کا وقتاً فوقتاً پوسٹ مارٹم کر دیکھا۔ اس سارے عمل کے نتیجے میں ایک سال کے عرصے میں اُس نے دو موبائل فون اور ایک عدد لیپ ٹاپ توڑا تھا۔

روز کہتا ہوں کہ بھول جاؤں اُسے

روز یہ بات بھول جاتا ہوں

ملیحہ کا بڑا اچھا رشتہ آ گیا تھا۔ خدیجہ اور طلال نے اسکی ذمہ داری لگائی۔ لڑکے کے بارے میں چھان بین کرے جو کہ اس نے کی اور اسکی طرف سے ہری جھنڈی دیکھاتے ہی دوسری جانب ہاں کہہ دی گئی۔ پر ابھی دونوں طرف سے کوئی تقریب نہیں کی گئی تھی کیونکہ لڑکا لڑکی دونوں ہی پڑھ رہے تھے۔ دونوں کے پیپروں کے بعد کوئی فنکشن رکھنے کا پروگرام تھا مگر چیزیں اگر ہمیشہ انسانی تدبیر کے مطابق ہی چلنے لگیں۔ تو کیا ہی بات ہو۔

وہ اچانک ہی بے وقت گھر آ گیا تھا۔ نزدیک ہی ایک بنک میں کام تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اُس نے سوچا اب گھر کے پاس ہوں۔ کیوں نہ دوپہر کا کھانا کھا کر ہی واپس دفتر جاؤں۔ اسی لیے گاڑی گھر کے باہر ہی روک کر اندر آ گیا۔

باہر کا گیٹ نوکر نے کھول دیا۔

اندر آیا تو امی کو ڈھونڈتا ہوا لاؤنج سے اُنکے کمرے کی طرف گیا۔ وہاں بھی نہ ملیں۔ مگر ملیحہ کے کمرے سے آنے والی آوازوں سے اندازہ ہو گیا کہ امی بھی وہیں تھیں۔ ملیحہ کی بات کانوں تک پہنچی تو قدم وہیں ٹھٹھک کر رُک گئے۔

”امی آپ کو بھائی کو بتا تو دینا چاہیے ناں۔۔۔“

”ہاں تاکہ وہ ایک دفعہ پھر میری جان کو آ جائے۔“

”تو پھر کب تک چھپا کر رکھیں گی۔۔۔ ماشااللہ اب تو آپ کا پوتا بھی آ گیا ہے۔“

”ہاہا۔۔۔ پوتے کی ماں کسی طرح بات سننے کی طرف آئے تو تب بات بنے۔ میں سمجھتی تھی ایک دفعہ بچہ ہو

جائے گا تو اُسکی سوچ بدل جائے گی۔ اپنی ضد چھوڑ دے گی پر وہ اب بھی اپنی بات پر اُسی طرح قائم ہے۔ تمہارے ابو بتا رہے تھے۔ آفس میں میسم کے نام خلع کا نوٹس آیا تھا اور وہ بھی اپنے نام کا ایک ہے۔ پورا پڑھے بغیر ہی پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔"

"بھابھی کو کم ازکم اب تو طلاق کی بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ آپ سمجھائیں ناں اُن کو۔۔۔"

"اپنی طرف سے کوشش ہی تو کر رہی ہوں۔ اب نہ جانے اوپر والے کی کیا مرضی ہے۔"

اب کی بار ملیحہ بولی تو آواز میں محبت تھی۔

"امی ویسے تو بھابھی بھائی کا نام بھی سُننے کی روادار نہیں ہیں۔ پر ہریرہ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ سارا وقت سوچتی وہ بھائی کو ہی رہی ہیں کیونکہ ہریرہ سارا کا سارا بھائی کی کاپی ہے۔ یہاں تک کہ آنکھوں کا رنگ بھی بالکل بھائی ۔۔۔"

دروازے کے فریم میں اُبھرتے میسم کے سراپے کو دیکھ کر ملیحہ کی چلتی ہوئی زبان کو بریک لگ گئی۔

وہ بات بدلنے کا سوچ ہی رہی تھی۔ جب بھائی کا چہرہ غور سے دیکھا تو وہ اپنے الفاظ بھول گئی۔

اُسکی حیران نگاہیں بہن سے ماں اور پھر واپس بہن کے چہرے کا چکر کاٹ رہی تھیں۔ وہ چھ فُٹ کا صحت مند جوان لڑکا دماغی طور پر ہل کر رہ گیا۔

خدیجہ یا ملیحہ کو پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میسم کی اُجڑی سی حالت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی وہ سب سن چکا ہے۔ وہ دھیمے قدم اُٹھاتا آ کر بیڈ کی سائیڈ پر رکھی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر لیے۔ ٹانگیں آگے کو پھیلا لیں۔ اس وقت وہ سفید بے داغ شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ کُشادہ پیشانی اور ناک کی نوک پر پسینے کے چند قطرے چمک رہے تھے۔

خدیجہ نے صورتحال کو سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی۔

"اسلام وعلیکم چندہ کب آئے ہو؟ اچھا کیا جو اس وقت آگئے۔ ہم نے بھی ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ جاؤ ملیحہ جا کر کھانا لگاؤ۔۔۔"

"ضرورت نہیں ہے امی۔۔۔ ان چند پلوں نے میری بھوک پیاس چھین لی ہے۔"

اُسکے انکار کے باوجود ملیحہ ایسے وہاں سے نکلی جیسے قید سے رہائی پائی ہو۔۔۔اُسے حقیقت میں اس وقت میسم سے ڈر لگ رہا تھا۔نہ جانے وہ کیا سلوک کرنے والا تھا۔

میسم نے ملیحہ کے وہاں سے غائب ہونے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔اب وہ آگے کو جھک کر بیٹھا۔دونوں کہنیاں ٹانگوں پر رکھی تھیں۔ہاتھ اس وقت بھی ایک دوسرے میں بند تھے۔آنکھوں کی لالی ہر سیکنڈ کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔یک ٹک ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ دوبارہ سے بولا۔۔۔۔

''اس گزرے وقت میں، میں اُس عورت کی وجہ سے جس قسم کی ذہنی کشمکش اور اذیت کا شکار رہا ہوں۔آپ کو میرے حال کی پل پل خبر رہی ہے ناں۔۔۔میں نے آپ کی منتیں کیں۔ایک بار، صرف ایک بار مجھے اُسکے روبرو ہونے کا موقع دیں۔آپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔آپ کا اُسکے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اور آج میرے حواس پر یہ بم پھوڑ دیا۔میں ایک بچے کا باپ ہوں اور مجھے ہی علم نہیں ہے۔کیا اُس مغرور گھمنڈی عورت نے مجھے ہی لا علم رکھا یا آپ کو بھی اب بتایا گیا ہے؟''

خدیجہ بیڈ پر سے اُٹھ کر اُسکے برابر والی کُرسی پر آ کر بیٹھیں۔

اُسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولنا شروع کیا۔

''اپنی ماں کو غلط مت سمجھنا میسم۔۔۔میں نے جو کُچھ بھی کیا وہ تمہارے بچے کی صحت اور زندگی کے لیے ہی کیا ہے۔وہ یہاں رہتی تو ہر وقت سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتی۔وہ جس رشتے کو ابھی ذہنی طور پر قبول ہی نہیں کر پائی تھی تم اُسی تعلق کو اگلے مقام پر لے گئے تھے۔ڈاکٹر نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس بچے کی زندگی چاہتی ہیں تو ماں کو ڈپریشن سے نکالیں۔ہر وقت کی اوور تھنکنگ کی وجہ سے بچے کی گروتھ نارمل نہیں تھی۔اُسکو اُس ذہنی اسٹیج سے نکالنے کو میں نے تم سے جھوٹ بولا کہ میرا اُس کے ساتھ رابطہ نہیں ہے۔میرا اُس کے ساتھ ہر پل کا رابطہ رہا ہے۔بچے کی پیدائش پر بھی میں اُسکے پاس تھی۔''

''امی اُس نے اپنے اوپر مظلومیت کا لیبل لگا کر جو میرا نقصان کیا ہے۔میں اُس کو معاف نہیں کرنے والا پر آپ سے مجھے یہ اُمید نہیں تھی۔میں اُسکی زندگی کا ایک غیر اہم فضول انسان ہوں۔آپ کا تو بیٹا ہوں۔پھر بھی آپ نے مجھے یہ چوٹ دے دی۔میرا بچہ اُسکے پاس تھا۔وہ بے ایمان عورت یہ گیم تو با اصول طریقے سے کھیلتی۔

مجھے بتایا ہی نہیں۔ بہت ہو گیا، بڑی کرلی اُس نے اپنی من مانی۔۔۔۔اب اور نہیں۔۔۔۔''

اتنا کہہ کر وہ باہر کو نکل آیا۔ پیچھے ماں آوازیں دیتی رہ گئیں۔ اُسکے پیچھے گیٹ تک آئیں تھیں۔ مگر اُس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے وہ آج اُن رستوں پر جانے کو تیار ہو چکا تھا۔ جہاں نہ جانے کی اُس نے قسم کھائی ہوئی تھی۔ مگر آج خود ہی اپنی قسم توڑ رہا تھا۔ اور صرف اور صرف اپنے بیٹے کی وجہ سے۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

آج ملک عالم حیات کی حویلی کی بجائے گھر کے سامنے اپنی گاڑی روکتے ہوئے اُس نے ہارن پر ہاتھ رکھا اور تب تک رکھے رکھا جب تک دوسری جانب سے گیٹ کھل نہ گیا۔

وہ گیٹ کھولنے والے کو گھورتے ہوئے گاڑی کو ریس دیکر اندر لایا۔

سامنے والا اُسکو پہچان گیا تھا۔ اسی لیے آنکھوں میں حیرت اُبھری۔

گاڑی کے رُکتے ہی وہ تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کی جانب آیا۔

''کسی گھر آئے دُشمن سے بھی یہ سوال کرنا انتہائی بد اخلاقی ہے۔ مگر پھر بھی پوچھنے پر مجبور ہوں۔ کیا چیز آپ کو یہاں لائی ہے؟''

''میں تمہارے منہ لگنے کے لیے ہرگز نہیں آیا ہوں۔ اندر جا کر اپنی بہن کو بولو میرا بچہ میرے حوالے کرے۔ اُسکے بعد میری طرف سے تم سب کے سب بھاڑ میاں جاؤ۔۔۔''

ملک عبداللہ کے ماتھے پر تیوری آئی۔ تعجب سے اپنے بہنوئی کے ناک پر چمکتے غصے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میسم طلال صاحب میری صرف ایک ہی بہن ہے جو کہ آپکی بیوی ہے اور وہ آخری دفعہ اس گھر کی دہلیز سے آپ کے ہمراہ نکلی تھی۔ آج تک کبھی واپس نہیں آئی۔ اسلیے میں آپکا مطالبہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

''میں جانتا ہوں۔ تم لوگ ذرا موٹی عقل والے طبقے سے تعلق رکھتے ہو۔ سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ پھر سے آسان لفظوں میں کہتا ہوں۔ یہ لاعلمی کا چولا اُتار کر اندر اپنی بہن سے میرا بیٹا لا کر میرے حوالے کر دو۔۔ بس۔۔۔''

ملک عبداللہ کو غُصہ تو بڑا آیا مگر پی گیا۔ میسم کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ دل میں شکر بھی کر رہا تھا۔ کہ اس وقت ملک عالم حیات گھر پر نہیں تھے۔ ورنہ یوں میسم کو دیکھ کر نہ جانے کیا ردِ عمل دیکھاتے۔

میسم غُصے سے لب بھینچے متوازی قدم اُٹھاتا اُسکے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ملک عبداللہ ایک دروازے پر دستک دیکر اندر داخل ہوا۔

"اماں آپ سو تو نہیں رہی ہیں؟"

"نہیں پُتر میری آنکھوں میں تو نیند راتوں کو نہیں آتی۔ ابھی تو پھر دن کا وقت ہے۔"

نبیلہ بیگم کی نظریں اپنے شیر جوان بیٹے سے ہوتی ہوئیں جونہی میسم پر پڑیں تو پلٹا بھول گئیں۔ آخری بار اُنہوں نے اُسکو دھندلے سے اندھیرے میں دیکھا تھا۔ جب اُسکے چہرے پر سوجن تھی۔ ایک آنکھ تشدد کی وجہ سے کالی ہو رہی تھی۔ مگر اُسکے قد کاٹھ اور نقوش کو فوراً پہچان کر بیڈ سے اُتریں اور اُسکے قریب آئیں۔ دونوں ہاتھوں میں نرمی سے اُسکا چہرہ بھرا۔۔۔

"تم میسم ہو ناں؟"

"جی۔۔۔"

بھرائی آنکھوں سے مُسکراتے ہوئے نبیلہ نے اُسکا سر نیچے کر کے ماتھے پر پیار دیا۔

وہ آنکھیں گھما کر رہ گیا۔ ڈرامے باز لوگ۔۔۔!!۔۔۔

"ماں صدقے آج کیسے اِدھر کا راستہ بھول گئے۔ کیا وہ بھی تمہارے ساتھ آئی ہے؟"

پوچھنے کے ساتھ ہی اُنہوں نے دروازے سے منہ نکال کر باہر دیکھا۔ ویران پڑی راہداری دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ واپس اُسکی جانب توجہ ہوئیں۔

"اُسکو بھی اپنے ساتھ لے آتے۔ میری تو آنکھیں ترس گئیں ہیں۔ ماں باپ سے غلطی ہو جائے تو اولاد کو بھی ایسے بدلا لینے تو نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ آخر کو ماں باپ بھی انسان ہی تو ہیں۔"

"وہ میرے گھر پر نہیں رہتی ہے۔ میں یہاں آپ کو ملنے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اپنے بیٹے کو لینے آیا ہوں۔ پلیز

اگر آپ یہ سب کہہ کر مجھے یہ یقین دلوانا چاہتی ہیں کہ آپ کی بیٹی ادھر نہیں ہے تو میں جا کر پولیس کو لے آؤنگا اور اس دفعہ بات میری نہیں ہے، میرے بیٹے کی ہے۔ آپکی دولت بھی آپکے ظلم چھپانے کے کام نہیں آئے گی۔ اس لیے سیدھے سے اپنی بیٹی کو بلوائیں۔"

عبداللہ اُکتا کر اونچی آواز میں بولا۔

"وہ ادھر نہیں ہے۔ کونسی زبان سمجھ آتی ہے آپ کو۔ بتا دیں میں اُس زبان میں ترجمہ کر کے بتا دیتا ہوں۔ آپکی بیوی ادھر نہیں ہے اور یہ بیٹے والی تو بات تو ہمارے لیے نئی خبر ہے۔ مبارک ہو۔۔۔"

"اگر وہ ادھر نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟ کیونکہ شادی کے ایک ماہ بعد وہ میرا گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ میں تو آج تک یہی سمجھتا آیا ہوں کہ وہ ادھر آ گئی ہے۔" عبداللہ کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ نبیلہ بھی بیڈ کی پائینتی پر گر سی گئیں۔

"آپ کہنا چاہ رہے ہو۔ وہ پچھلے بارہ ماہ سے لاپتا ہے؟ اور آپ نے ہمیں بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔"

"جانے دو ملک عبداللہ۔۔۔ کم از کم میرے سامنے زبان کھولنے سے پہلے دس دفعہ سوچنا۔ یاد کروا دوں کہ میں وہی میسم طلال ہوں۔ جس کے ساتھ ذبردستی تم نے اپنی بہن کا نکاح اُسکی مرضی کے خلاف پڑھوایا تھا۔ اس لیے اب میرے سامنے یہ ظاہر نہ کرنا کہ تمہیں اُسکی بڑی پرواہ ہے۔ ورنہ اپنا سارا غصہ تم پر ہی نکال دونگا۔"

پھر وہ نبیلہ کے سامنے فرش پر پیروں کے بل بیٹھا اور انکا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔

"آپ سے براہِ راست یہ میری پہلی ملاقات ہے۔ آپ نے میری ماں کی طرح میری پیشانی چومی ہے۔ اسلیے آپ کو ماں ہی کی طرح عزت دینے پر مجبور ہوں۔ وہ لاپتا نہیں ہے۔ ہاں مجھ سے چھپ کر کہیں رہ رہی ہے۔ میرے گھر والوں سے رابطے میں ہے۔ میری امی اُسکو مجھ سے بھی زیادہ چاہتی ہیں۔ اسلیے بے فکر رہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے۔ بالکل محفوظ ہے۔ میں جلد اُس تک پہنچ جاؤنگا اور ہاں آپ کا اب ایک عدد نواسہ بھی ہے۔ کیسا ہے؟ میں نہیں جانتا ہوں۔ کیونکہ آپکی بیٹی نے مجھے اُسکی پیدائش سے لاعلم رکھا ہے۔ یہ تو آج بائے چانس میں نے اپنی امی اور بہن کو باتیں کرتے سُنا ہے۔ اُنکی باتوں سے تو یہی معلوم ہوا ہے کہ اُسکا نام ہریرہ ہے اور وہ

میری طرح دکھتا ہے۔میری طرف سے مبارک قبول کریں۔اگلی دفعہ مٹھائی لیکر آؤنگا۔ابھی اجازت۔۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔"

نبیلہ کو مُسکراتا ہوا چھوڑ کر وہ ملک عبداللہ کو نظرانداز کرتا وہاں سے آگیا۔

☆......☆......☆

پنجاب یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں شام اُتری ہوئی تھی۔پُرسکون ماحول میں درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے جھنڈ کے جھنڈ آکر ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اپنی سارے دن کی آپ بیتی سنا رہے تھے۔موج مستی تھی۔بےفکری تھی اور سب سے بڑھ کر سکون تھا۔رگوں میں اُتر کر سیراب کرنے والا سکون اور روح کو بےچین کرنے والا اضطراب آج کل میسم طلال کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا۔وہ کل سے گھر نہیں گیا تھا۔کل کی رات فیصل کے گھر گزارنے کے بعد صبح اسے بھی بتائے بغیر آوارہ گردی کو نکل گیا تھا۔وہاں سے مایوس ہوکر وہ سیدھا فیصل کے پاس آیا۔جو شام کی کلاس لینے کے بعد فارغ ہوا تھا۔کافی دن بعد وہ لوگ آکر یہاں بیٹھے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے شام کے سائے لمبے سے لمبے ہوگئے۔ادھر ہی کھانا منگوا کر کھایا۔

فیصل اس وقت سگریٹ کے کش پہ کش لیتے ہوئے اپنے انداز میں کھانا ہضم کرنے میں مصروف تھا۔جبکہ وہ بینچ پر چت لیٹ کر لالی بکھرے آسمان کو دیکھ دیکھ کر اور بھی اُداس ہو رہا تھا۔۔۔

"ویسے ایک بات تو ہے۔۔۔"

اپنے سے چند قدم کی دوری پہ گھاس پر بیٹھے فیصل کی بات کو لاپرواہی سے سُنتے ہوئے اُس نے پوچھا۔۔

"وہ کیا۔۔؟"

"یار اس ایک سال نے تُجھے گدھے سے انسان بنایا اور اب باپ بنا دیا۔تو مان یا نہ مان یہ سال تیرے لیے بڑا لکی گیا ہے۔"

"اگر تو یہ بیہودہ انداز اپنا کر مجھے تسلی دینا چاہ رہے ہے تو اپنے الفاظ جمع خاطر رکھو۔میں باپ تو بنا ہوں۔پر دنیا کا شاید بدقسمت ترین باپ ہوں جس سے اسی کے بچے کو چُھپایا گیا ہے۔بات کرتے کرتے بےچینی سے اپنی جگہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

”یار میں کوئی آدم خور ہوں؟۔۔وہ مجھے سمجھی کیا ہے۔؟۔۔کیا میرا قصور یہ ہے کہ میں نے کھلے دل اور نیک نیتی سے اُسے قبول کیا تھا۔ جواب میں اُس نے کیا کیا ہے؟ میرا دل کرتا ہے۔ایک دفعہ وہ میرے سامنے آجائے۔اُسکا حشر کردونگا۔“

”چل رہنے دے پاپے اتنا غُصہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔اگرامی کہہ رہی ہیں کہ سب کچھ بچے کی صحت کے لیے کیا ہے۔تو تم بھی تھوڑا ظرف دیکھاؤ۔“

”ظرف دیکھاؤں؟؟ وہ طلاق چاہتی ہے۔ظرف دیکھانے کا مطلب تو یہی ہے نا کہ اُسکے مطالبے پر طلاق دے دوں اور بچے کو لینا تو دور کی بات، ملنے تک کا مطالبہ نہ کروں؟“

”اللہ نہ کرے تم دونوں کی کبھی طلاق ہو۔اللہ حیاتی دے ئے انشاءاللہ بھابھی ایک دن آجائیں گی۔اصل میں اُنکے ساتھ ہوا بھی تو بہت بُرا تھا۔ٹھیک ہے تو میرا جگر سہی پر یہ بھی تو دیکھ تیری ایک سو ایک لڑکیوں کے ساتھ ہیلو ہائے اور دوسری طرف بھابھی وہ لڑکی ہیں جن کی عزت یونیورسٹی کا ہر لڑکا کرتا ہوگا۔انتہائی سلجھی ہوئی۔پھر اچانک سے جو کچھ ہوا۔انسان کو سنبھلنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے ہوتا ہے۔“

”ہاں انسان تو ایک وہی ہے۔میں تو کسی بھوت پریت برادری کا بندہ ہوں۔“

”یار بتایا تو ہے۔تم پہلے گدھے تھے۔اب ماشاءاللہ سے انسان ہو۔کیا روٹین ہے۔شرافت کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑے ہوئے ہیں۔بچہ صبح ابوجی کے ساتھ آفس جاتا ہے۔رات کو ناک کی سیدھ پر گھر آتا ہے۔نمازوں کے بعد یہ لمبی لمبی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔زلفوں کا جنگل کاٹ دیا ہے۔غیر ضروری عادتیں چھوڑ دی ہیں۔میں کہتا ہوں۔بھلا ہو بھابھی کا جو تم سے دور گئیں۔ورنہ تم تو انتہائی شوخے انسان تھے۔مانگ مانگ کر تم سے لڑکیوں کے نمبر نکلوانے پڑتے تھے۔جب سے تم نے یونیورسٹی چھوڑی ہے۔لڑکیاں سیدھی تیرے بھائی کے پاس آتی ہیں۔فیصل صاحب یہ میرا نمبر کسی طرح میسم تک پہنچادیں۔اُسے کہنا کال ضرور کرے۔“

خراب موڈ کے باوجود میسم کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

”ڈوب مر سالے میں نے میدان چھوڑ دیا۔پھر بھی تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔“

”بس یار تیرا دوست ایک دفعہ کروڑ پتی بن جائے۔پھر دیکھنا لڑکیاں ہی لڑکیاں۔۔۔ابھی تو اپنی جیب میں

خود کے لیے فلم کا ٹکٹ خریدنے کا مال نہیں ہوتا۔لڑکیوں کو سیر سپاٹا کہاں سے کرواؤ نگا۔اب ہر کوئی تجھ بے غیرت سا خوش نصیب تو نہیں ہوتا نا۔۔۔باپ مالدار۔۔گاڑی اپنی ملی ہوئی ہے۔جیب میں کھلا خرچہ،لڑکیوں کی سالگرہ پر ہزاروں کے تحفے دیتے ہو۔اسی وجہ سے تمہاری ویلیو ہے۔ورنہ شکل تو تیری نری کدو جیسی ہے۔اپنے بھائی جیسی گڈلکس کا سرے سے فقدان ہے۔"

"ہاں جی بالکل بجا فرمارہے ہو۔اب تو مجھے بھی یقین ہو گیا ہے۔میری شکل ہی بدصورت ہے۔اسی لیے وہ میرے ساتھ رہ نہیں پائی۔"

"دھت تیری۔۔۔گھوم پھر کر سوئی اُدھر ہی آ کر اٹکتی ہے۔تم بھول کیوں نہیں جاتے۔۔۔"

"کیا بھول جاؤں؟ یہ کہ مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے اور وہ مجھ سے علیحدہ ہو گئی ہے۔"

فیصل اُٹھ کھڑا ہوا اور میسم کا بازو کھینچ کر اُسے بھی کھڑا کیا۔

"چل اُٹھ چلیں۔۔۔اندھیرا پھیل گیا ہے۔گھر پر امی پریشان ہوں گی۔کل کا نکلا ہوا ہے۔چل کر اُنکو بولتے ہیں۔یا تو بھابھی کا پتا بتائیں یا اُنکو لیکر آئیں۔میں اپنے ہونہار کو ایسے نہیں دیکھ سکتا۔دُنیا کے دوسرے کونے سے بھی بھابھی کو جا کر لانا پڑا تو اپنے جگر کی خاطر یہ بھی کر جاؤنگا۔بس تو مجھے سحرش کا نمبر لے دے۔"

"پرے مر۔۔۔اُسکی منگنی ہو گئی ہے۔"

"منگنی ہی ہوئی ہے۔کونسا شادی ہوئی ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے تو بیٹا اُسکے پانچ بھائی پہلوان ہیں۔چھٹا والا پولیس میں ہے۔گھر کا پتہ میں دئے دیتا ہوں۔جانے سے پہلے اپنی ماں کے نام خط لکھ دینا۔"

دونوں گراؤنڈ سے نکل کر مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے پارکنگ کی جانب جا رہے تھے۔ فیصل کی مری ہوئی سی آواز نکلی۔۔۔

"یار میسم یہ محبت کے ساتھ بھی لکھا ہونا چاہیے۔خبردار مضرِ صحت ہے۔بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں۔"

میسم کو بڑی ہنسی آئی۔۔۔

"بس ہوا نکل گئی ہے۔۔۔؟"

”یار گولی مار ہوا کو۔زندہ ہی نہ رہا تو محبت کیا خاک کرونگا۔ویسے بھی کل میں نے لڑکوں کے باتھ روم میں ایک لائن لکھی دیکھی ہے۔کسی نے لکھا ہے۔سچا عشق وہی ہے۔جو ملتا نہیں ہے۔“

”واہ جی واہ آپکی محبت ایک ہی جست میں عشق بن گئی۔“

”بس یار جب لڑکی کے اتنے خطرناک بھائی ہوں تو اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔لے دے کر ایک عشق کا چانس ہی لیا جا سکتا ہے۔“

میسم دل کھول کر ہنس رہا تھا۔جب کہ فیصل نے جلے دل کے ساتھ شرم دلوانی چاہی۔

”بس جی سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے کہ چڑیاں دی موت گنوارا دا ہاسا۔۔۔“

” چڑی کون ہے؟تم یا تمہاری محبت۔۔۔؟“

”یہ بات راز میں ہی رہنے دو۔آج اُس گانے کے بول ضرور سمجھ میں آ گئے ہیں۔۔۔“

میسم نے گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہوئے پوچھا۔”کونسے گانے کے؟“

”وہی جو ہمارا میتھ کا پروفیسر گایا کرتا تھا۔“

بتانے کے بعد فیصل اونچی آواز میں سُر کے ساتھ گُنگنانے لگا۔۔۔

”تو نے اپنا بنا کر نظر پھیر لی۔۔۔

میرے دل کا سکون نہ رہا لُٹ گیا۔۔۔“

میسم نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔

”بس بس بس اس سے زیادہ اس کلام کی بے حرمتی نہ کر۔ میرے پاس ہے۔ میں سٹریو پہ لگا دیتا ہوں۔۔۔“

دو منٹ بعد گاڑی گھر کو جا رہی تھی۔مولوی حیدر حُسین کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھی اپنی پھٹیچر آواز سمیت فُل والیوم میں گا رہے تھے۔

تو نے اپنا بنا کر نظر پھیر لی

میرے دل کا سکوں نہ رہا لُٹ گیا

مجھ کو لُوٹا تیرے عشق نے جانے جاں۔۔۔

میں تیرے عشق میں جانے جاں لُٹ گیا۔۔۔

چند دن کہ فقط میری جاگیر تھے

وہ بھی بادِ خزاں لوٹ کر لے گئی

میں نے دیکھا نہ فصلِ بہاری کا منہ

میں قفس میں رہا آشیاں لُٹ گیا

میں نے لٹنے سے پہلے یہ سوچا کہ میں

راز کی بات ہی دل سے کہہ کر لٹوں

راز کی بات تو رہ گئی راز میں

مجھ سے پہلے میرا راز دا لُٹ گیا

دل میرا عشق بازی میں انجان تھا

آ گیا اک رُخِ بے وفا پر یونہی

دل نے سوچا نہ سمجھا نہ پہچان کی

اس نے لُٹنا کہاں تھا کہاں لُٹ گیا۔۔

☆......☆......☆

''آپ اُسکے ساتھ بات کیوں نہیں کرتے؟ پرسوں دوپہر کا وہ گھر سے نکلا آج واپس آ رہا ہے۔ کھانا پوچھا تو اس کے لیے بھی نہ بول دی ہے۔ آخر کیوں مجھے پریشان کر رہا ہے۔''

''وہ کوئی بچہ تو نہیں ہے۔ جب کہہ رہا ہے کہ باہر سے کھا آیا ہے تو یقین کر لو۔ آخر فیصل نے بھی تو یہی کہا تھا۔۔۔''

''اچھا میں ہی یقین کر لیتی ہوں۔ آپ اس موئے ٹی وی کے آگے سے نہ اُٹھیے گا۔ اپنے گھر میں اتنے مسائل بکھرے ہوئے ہیں اور محترم کو ہر وقت دنیا کی پڑی رہتی ہے۔''

”کونسے مسائل بھئی۔۔۔۔۔صاحبزادے کو اُسکی بیوی کا پتہ بتادو۔خود ہی سب مسائل ختم ہو جائینگے۔“

”ہاں پتہ بتادوں تاکہ وہاں کسی دوسرے شہر میں رشتے داروں کے سامنے یہ لوگ خانہ جنگی کھول کر بیٹھ جائیں۔جس کان تک ابھی سارے معاملے کی خبر نہیں پہنچی اُسکو بھی اطلاع ہو جائے۔“

”چلو پھر انتظار کرو اُس وقت کا جب تمہارا بیٹا تم سے مخاطب ہونا بند کر دے گا اور یہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔“

”اللہ نہ کرے ایسا ہو۔میرا ایک ہی ایک تو بیٹا ہے۔“

”تو پھر اُسکی خوشی پوری کر دو۔۔۔“

”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں۔جیسے اپنی بہو سے واقف نہیں ہیں۔“

”میں اگر بہو سے واقف ہوں تو بیٹے سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔آفس میں بعض اوقات جو مُشکل پراجیکٹ آجاتے ہیں۔اُس پر اُنہیں پرفیکٹ بنانے کا جنون سوار ہو جاتا ہے۔ابھی بھی وہ بے چین اسی لیے ہے۔کیونکہ ہم لوگوں نے اُسکو اُسکا اپنا کیس اُسکے اپنے انداز میں حل کرنے کی مہلت نہیں دی ہے۔بلکہ اُسکو پپٹ کی طرح انگلیوں پر نچایا ہے۔حتیٰ کہ بچے کی پیدائش بھی چھپادی۔اب بہتری اسی میں ہے۔اپنی بہو کو کسی طرح ایک دفعہ گھر بُلا لو۔پہلے بچے کی وجہ سے احتیاط تھی۔اب اللہ کے فضل سے میرا شہزادہ ٹھیک ٹھاک دنیا میں آچکا ہے تو باپ سے کیوں نہ ملے۔“

”وہ نہیں مانے گی۔“

”تم کوئی بہانہ سوچو۔۔۔ماں ہو آخر ایموشنلی ٹریپ کرو۔۔۔آخر بیٹے کو بھی تو کرتی رہی ہو۔“

”ٹھیک ہے میں کوشش کر دیکھتی ہوں۔اگر وہ کسی طرح بھی باتوں میں نہ آئی تو؟“

”تو میسم کو بتا دینا کہ وہ کدھر رہ رہی ہے۔“

”اللہ کرے وہ میری بات مان جائے۔“

”امین۔۔۔کیا اب مجھے خبریں سُننے کی اجازت ہے؟“

”جی سُنیں سُنیں آخر رات کو نیند کیسے آئے گی۔“

”بڑی نوازش ہے۔بس ایک گلاس پانی دیتی جائیں۔“

خدیجہ نے پانی کا گلاس لا کر شوہر کو دیا اور خود عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے چلی گئیں۔ ذہن ساری صورتحال کا کوئی حل سوچنے میں مصروفِ عمل تھا۔

☆......☆......☆

ساری رات بارش ہوتی رہی تھی۔ جس کے آثار ہر طرف نظر آ رہے تھے۔ اولڈ ہوم کے دلکش لان میں آج ہر جانب خشک آوارہ پتوں کا ڈھیر تھا۔ ابھی تک سارا آسمان بادلوں نے گھیرا ہوا تھا۔ گہرا گرے رنگ کسی بھی وقت چھلکنے کو تیار لگ رہا تھا۔

اپنی روزمرہ کی روٹین کے مطابق آج بھی اُس نے سٹاف کے لیے بنے لاؤنج میں نماز پڑھی۔ جہاں کمرے کے فرش پر کارپٹ ڈالا گیا ہوا تھا۔ ایک کونے میں لمبی سی کوئی بارہ کُرسیوں والی میز لگی تھی۔ اور کمرے کے چاروں اطرف دیواروں میں الماریاں تھیں۔ جن میں سارا ریکارٹ جمع پڑا تھا۔ یہی کمرہ نماز کے لیے استعمال ہوتا تھا اور اسکے علاوہ اسٹاف کی میٹنگز وغیرہ بھی یہیں ہوتی تھیں۔

نماز پڑھتے ہی اُسکی عادت تھی۔ قرآن ہاتھ میں لیکر لان میں نکل جاتی اور وہاں بنے سنگی بینچ پر بیٹھ کر ناشتہ لگ جانے تک سبق پڑھتی۔ جب ملازم ناشتے کا بتا کر جاتا۔ وہ اگلے دس منٹ میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچ جاتی۔ ہریرہ کی رات دیر سے سونے کی عادت کا اُسکو یہ ایک بڑا فائدہ تھا۔ دن میں وہ دس بجے سے پہلے نہیں اُٹھتا تھا۔ اُس وقت وہ خود تو دفتر میں ہوتی تھی۔ ملازمہ بچے کو نہلا دھلا کر ناشتہ کروانے کے بعد اُس کے حوالے کر جاتی تھی۔ جہاں وہ لنچ تک اُسکو اپنے ساتھ رکھتی۔ اُس کے بعد دوبارہ ملازمہ کی گود میں چلا جاتا۔ وہ ناشتے کے بعد سیدھی آفس میں جاتی اور سارا دن ادھر مصروف گزار کر چار بجے آفس بند کر کے واپس رہائشی حصے کی جانب آ جاتی۔

پچھلے بارہ ماہ سے اُسکا یہی معمول رہا تھا۔ جس میں اب آ کر اُس نے تھوڑی تبدیلی یہ کی تھی کہ اوپن یونیورسٹی کے ذریعے ایک کورس شروع کر لیا تھا۔ جس نے شام کے بعد بھی مصروف کر دیا تھا مگر سب سے بڑی تبدیلی تو اس ننھی جان کی وجہ سے آئی تھی۔ جو بڑے وقت پر سونے والی ماں کو اب آدھی رات تک سونے نہ دیتا تھا۔ اپنی زبان میں غوں غاں کر کر کے نہ جانے کیا کہانیاں سُناتا تھا۔

بینچ پر بیٹھ کر سبق پڑھنے کا اس وقت تو خاص ہی سرور آرہا تھا۔
احاطے کی دیوار کے ساتھ لگے پاپولر اور سفیدے کے درخت ہوا کے جوش پر اپنے ہی انداز میں جھوم رہے تھے۔موتیے کے تین پودے تھیاورتینوں ہی پھولوں سے بھرے ہوئے تھے۔جن میں سے آدھے پھول ٹوٹ کر ہری گھاس پر دور دور تک ہوا کے دوش پر اُڑ کر گرے ہوئے تھے مگر اُنکی خوشبو نے سارے ماحول کو قابو کیا ہوا تھا۔
وہ سبق پڑھتے پڑھتے ایک پل کو رُکتی، گہرا سانس کھینچتی، زیرِ لب مسکراتی اور پھر دوبارہ قرآن کھول لیتی۔
اس وقت بھی وہ سورۃ الملک کی تلاوت کرنے میں مگن تھی۔جب ملازم نے اطلاع دی۔
''میڈم جی آپکے لیے لاہور سے فون آیا ہے۔''
اُس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ایسا آج کل اُس کے ساتھ تب ہوتا تھا جب کسی کی زبان سے لاہور کا نام سنتی تھی۔
''تم نے پوچھا کہ کس کا فون ہے؟''
ملازم نے نفی میں سر ہلایا۔
''نہیں جی پر کوئی خاتون ہیں۔خود کو آپ کی والدہ بتاتی ہیں۔'' اُس کے چہرے کے تاثرات یکسر تبدیل ہو گئے۔آنکھوں میں سے نرمی کا اثر غائب ہو کر سرد مہری میں بدل گیا۔
''آئندہ اگر کوئی خاتون فون پر خود کو میری ماں بتا کر مجھ سے بات کرنے کی خواہش کا ظاہر کرے تو کہہ دینا کہ میرا حکم ہے۔مجھے ایسی کوئی کال ٹرانسفر نہ کی جائے کیونکہ میری کوئی ماں نہیں ہے۔''
قطعی طور پر کہہ کر وہ واپس اپنے کام میں مگن ہو گئی۔ملازم یس میم کہہ کر واپس مڑ گیا۔
مگر دو منٹ بعد پھر آیا۔
''میڈل جی وہ کہہ رہی ہیں۔اُنکا نام خدیجہ ہے۔''
اب کی بار وہ چونکی تھی۔کیونکہ خدیجہ آنٹی نے ہمیشہ اپنی بہن کے نمبر پر فون کر کے اُس سے بات کی تھی۔
کچھ پل سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلاتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔
''میں آرہی ہوں۔تم جاؤ۔۔۔''

ملازم جی اچھا کہہ کر تیزی سے نکل گیا۔ وہ پرُ سوچ انداز میں قدم اُٹھاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''ہیلو؟''

''اسلام وعلیکم۔۔۔''

''وعلیکم اسلام۔۔۔آپ کیسی ہیں؟''

اُس کے پوچھنے پر دوسری جانب سے شکوہ آیا۔

''تمہیں کیا لگے۔تمہاری طرف سے کوئی مرے یا جیے تمہیں کونسا اپنے علاوہ کوئی اور نظر بھی آتا ہے۔''

اُس نے گہرا سانس خارج کیا۔ وہ بڑی بُری طرح سے اُسکو گھیرنے کے ارادے میں لگ رہی تھیں اور اُس کے پاس سب سے بہتر ہتھیار یہی تھا۔ جو جو وہ کہتیں وہ خاموشی سے سُنتی جائے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اصل میں یہاں کام کی مصروفیت ہی اس قدر ہوتی ہے۔ اوپر سے ہریرہ کے کام کچھ بھی سوچنے، کرنے، کہنے کا وقت نہیں ملتا۔''

''ہاں بس وکیل سے ملنے کا وقت مل جاتا ہے۔''

یعنی وہ نوٹس کے بارے میں جان گئی تھیں مگر وہ تو اُس نے اسی ڈر کی وجہ سے گھر کی بجائے آفس کے پتے پر بھیجا تھا۔

''آنٹی پودوں کے ساتھ اُگ آنے والی اضافی شاخوں اور پتوں کو کاٹ دینا ہی سود مند ہوتا ہے۔ ورنہ پودے خود مُرجھا جاتے ہیں۔ اسی طرح جن رشتوں کی وجہ سے آپ خود اپنے آپ سے بھی نظر نہ ملا پاتے ہوں۔ اُن کو بھی چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔''

''بہت سیانی ہوگئی ہو۔ کیا ایک ماں کے دل سے اولاد کی محبت نکال سکتی ہو؟''

''مگر آپ مجھ پر میری ماں سے بڑھ کر مہربان ہیں۔ میں آپ کی اولاد نہیں ہوں۔''

''یہ تو تمہاری سوچ ہے ناں۔ جس کا مظاہرہ ابھی میں فون کرتے ہی دیکھ چکی ہوں۔ ماں کہا تو تم فون پر ہی نہیں آئیں۔''

''اُسکی وجہ سے بھی آپ واقف ہیں۔''

”جو تم یہ سب کر رہی ہو، اسکا فائدہ کیا حاصل ہونے والا ہے؟“

”میں نے اپنا فائدہ نقصان کب کا سوچنا چھوڑ دیا ہوا ہے کیونکہ جن باتوں نے مجھے نقصان دیئے اُن میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ جب زندگی میں کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تو کیا فائدہ سوچ سوچ کر مرنے کا۔“

”ملیحہ کی منگنی ہے اور میں چاہتی ہوں۔ تم گھر آؤ۔ مجھے میرے بچے سے ملواجاؤ۔۔۔“

”میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ آپ ادھر آ کر ہریرہ سے مل جائیں۔“

”کیا تمہارے دل میں میرے لیے اتنی سی جگہ بھی نہیں ہے کہ تم میری بات پر سوچ سمجھ کر جواب دو۔ فٹ سے انکار کر دیا۔ جو کچھ ہوا۔ اُس میں میرا، ملیحہ یا اس کے باپ کا کیا قصور تھا؟ پھر بھی میں نے ہر معاملے میں تمہارا ساتھ دیا۔ صرف میں وہ انسان ہوں جس نے بغیر کسی صفائی کے تمہارا یقین کیا۔ تم نے کہا گھر سے جانا ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کی مخالفت مول لیکر تمہیں جانے دیا۔“

وہ اُنکو درمیان میں ہی ٹوک گئی۔۔۔

”آپ کے بیٹے کا میرے پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں اُسکی زندگی سے نکل چکی ہوں۔“

”کیا تم واقعی اُس کی زندگی سے نکل چکی ہو؟“

”کچھ عرصے کی بات ہے۔ پھر یہ بھی ہو جائے گا۔“

”میں تمہارے اور اپنے بیٹے کے تعلق پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہوں نہ کروں گی۔ بس اتنی سی خواہش ہے۔ تم ملیحہ کی منگنی پر موجود ہو۔ یہ بھی بتا دوں کہ جس کی وجہ سے آنا نہیں چاہ رہی ہو، وہ جاپان گیا ہوا ہے۔ گھر پر نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا ہونا ضروری بھی ہے۔“

”ملیحہ تو مجھے منع کر رہی تھی۔ اُسکا کہنا ہے۔ تم نے کبھی اُسکے ساتھ فون تک کا رابطہ نہیں رکھا۔ تو اُسکی خاطر گھر کیسے آ سکتی ہو۔“

اُس نے اپنی آنکھیں زور سے میچ لیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔۔۔

”ملیحہ سے کہہ دیں کہ میں ضرور آؤنگی۔ کس دن آنا ہے؟“

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ چند پل بعد بھرائی ہوئی آواز میں شکریہ بولنے ساتھ تین دن بعد کا وقت بتا

کر لائن کاٹ دی گئی۔فون واپس رکھ کر تیزی سے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔اس لمحے تنہائی کی خواہش شدید تر تھی۔کمرے کا دروازہ اپنے پیچھے لاک کرنے کے بعد بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔جیسے طویل مسافت کا مسافر تھک کر راستے میں گرتا ہے۔

وہ واپس اُس گھر میں جانا نہیں چاہتی تھی۔یہ فیصلہ آج کا نہیں تھا۔بلکہ جس دن اُس گھر سے قدم نکالا تھا، دل میں اس بات کا پختہ ارادہ رکھتے ہوئے دہلیز پار کی تھی مگر آج وہ اس عورت کو نہ نہیں کر پائی کیونکہ وہ انکی احسان مند تھی اور جن کے آپ قرض دار ہوتے ہیں۔کبھی کبھی اُنکی ناجائز بھی ماننی پڑتی ہے۔یہ تو پھر ایک بڑا ہی بے ضرر سا مطالبہ تھا۔

اُس نے اُٹھ کر بیڈ سائیڈ میز پر رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔چند گھونٹ میں گلاس خالی کر کے واپس رکھتے ہی اپنا موبائل اُٹھا لیا۔نمبروں کی لسٹ میں سے ایک جانا پہچانا نمبر ملا کر سیٹ کان سے لگایا۔

چوتھی بیل پر جواب دیا گیا تھا۔

''ہیلو لُبنیٰ۔۔۔؟''

''جی ملکہ عالیہ فرمائیے۔۔۔''

''میں اور ہریرہ لاہور جا رہے ہیں۔اگر ہو سکے تو ہماری پرسوں کی لاہور کے لیے ٹکٹ کروا دو۔''

''ہائیں یہ بیٹھے بیٹھائے لاہور کیوں یاد آ گیا؟''

''مجھے لاہور نہیں یاد آیا۔لاہور کو میں یاد آئی ہوں۔بلکہ لاہوریوں کو۔''

''بندی معاملے کی تفصیل چاہتی ہے۔''

''اگر میں بتانا نہ چاہوں تو۔۔۔؟''

''ہا ہا ہا۔۔۔کوشش کر لو اور سیٹ بھی خود ہی کروا لینا اور اپنے بونگے سٹاف کو کنٹرول کرنے کے لیے اپنی اسسٹنٹ بھی نئی ڈھونڈ لینا کیونکہ جہاں افسر اور ماتحت کے درمیان اعتماد کا رشتہ ہی نہ ہو لعنت ہے ایسی نوکری پر اور مجھے اس نوکری سے ملتا ہی کیا ہے۔''

''یہ سب بیان بازی کرنے سے پہلے یہ بات یاد رکھو۔یہ ادارہ میرا نہیں تمہارے والدین کی ملکیت ہے اور

تم میرے لیے کام نہیں کرتی ہو بلکہ اپنے ماں باپ کا کاروبار دیکھ رہی ہو۔ تیسرا یہ کہ مجھے تمہاری طرح اپنی ذاتی زندگی کو اشتہار بنانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تو میں رہی افسر ماتحت کے اعتماد سے۔۔۔"

"ہاں ہاں جیسے تم نہیں بتاؤ گی تو مجھے پتا ہی نہیں چلنا۔ بھول رہی ہو۔ تو یاد کروا دیتی ہوں۔ خدیجہ آنٹی میری سگی خالہ ہیں۔ اور تمہارا۔۔۔۔۔"

لُبنیٰ کو درمیان میں ہی ٹوکا۔۔۔

"مجھے کچھ بھی نہیں بھولا۔۔۔ پلیز میرا سر کھانے کی بجائے۔ سیٹ کروا دو۔"

"وہ تو میں کروا ہی دونگی۔ بلکہ دو ایک اپنی ایک تمہاری۔۔۔"

"کیا فرحت آنٹی نہیں جا رہی ہیں۔۔؟"

"امی کا کوئی پتا نہیں ہے یار۔ جانا ہوا تو خود ہی دونوں میاں بیوی اپنی سیٹیں کروا لیں گے۔ بچے تو نہیں ہیں۔"

"انتہائی بے ادب بیٹی ہو۔"

"مجھے تم بے ادب ہی رہنے دو۔ ادب لحاظ والوں کے ساتھ بھی کونسا اچھی ہوتی ہے۔ اب اپنی طرف ہی دیکھ لو۔"

ہمیشہ کی طرح اُس کی زُبان قینچی کی طرح چل چکی تھی اور بعد میں احساس ہونے پر دھیرے سے بولی۔

"تمہیں علم ہے ناں میں منہ پھٹ ہوں۔ اب اگر غُصہ کرنا ہے تو کر لو۔۔۔ میرے کونسا فرشتوں کو کوئی اثر ہونا ہے۔ ویسے میرے دماغ میں ایک آئیڈیا ہے۔ اگر تمہیں بُرا نہ لگے تو کہوں۔۔۔؟"

"ہاں جیسے میں کہہ دونگی کہ مجھے بُرا لگا ہے۔ تو تم اپنی بات کہے بغیر فون بند کر دو گی۔ بولو کیا ہے؟"

"جہاز کے زریعے لاہور جانے کے آئیڈیا پر پانی پھیر دو۔۔۔ ٹرین کے ذریعے چلتے ہیں۔ بلال کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ سچی راستے میں بڑا مزا آئے گا۔" لُبنیٰ کو سوچ کر ہی مزا آ رہا تھا۔ مزید بولی۔ "ساتھ ہمارے کچھ پیسے بھی بچیں گے۔ اُس سے شاپنگ وغیرہ کر لیں گے۔ آخر ملیحہ کے لیے کوئی گفٹ بھی تو لینا ہوگا۔"

"اُسکی تم فکر نہ کرو۔ میرے اکاؤنٹ میں کافی پیسے جمع ہیں۔۔۔"

"ہاں بھئی پچھلے ایک سال سے لگی ہوئی ہو پائی پائی جوڑنے۔اب تو یہی کہو گی۔ پر میں اتنی امیر نہیں ہوں۔ ابھی پچھلے ہفتے دوست کی سالگرہ پر ساری جمع پونجی لٹا چکی ہوں اور اگلا جیب خرچ ملنے میں ابھی پورے پندرہ روز باقی ہیں۔میرے ماں باپ اپنے ورکرز کا اتنا خیال کرتے ہیں اور بیٹی کو والنٹیر بول کر ساری محنت کھا جاتے ہیں۔ظالم لوگ۔۔۔!!"

"ہاں لُبنٰی یہ تو تم واقعی سچ کہہ رہی ہو۔ بڑے ہی ظالم والدین ہیں۔ بیٹی کو ہر جائز خواہش پوری کرتے ہیں۔تمہاری امی ایک ماہ میں کوئی دس دفعہ تمہارے دوستوں کے لیے ڈنر تیار کرتی ہیں۔۔۔"

ابھی وہ شروع ہی ہوئی تھی۔ بہت لمبی لسٹ گنوانی تھی۔مگر لُبنٰی نے روک دیا۔

"اچھا بس بس ایک تو تم دوسرے دن مجھے میرے ماں باپ کی مہربانیاں گنوا کر شرمندہ کرنے بیٹھ جاتی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے۔وہ تمہیں تنخواہ ہی اسی بات کی دیتے ہیں۔بس ہماری بیٹی کی میٹھی میٹھی عزت افزائی کرتی رہنا۔ اب فون بند کرو۔میں باتھ روم میں ہوں۔"

"توبہ استغفار لُبو تم نہ بدلنا۔۔۔!!!"

تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُس نے کال بند کر دی۔

☆......☆......☆

اب جب کہ لُبنٰی جی اپنے منہ سے یہ بات نکال چکی تھیں کہ لاہور کا سفر بذریعہ ٹرین کرنا ہے تو کون مائی کا لال تھا جو اُسکا ذہن بدل سکتا۔اسی لیے اُس نے اور بلال نے ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کی۔لُبنٰی کو فون کرنے کے بعد ابھی وہ ناشتہ کر کے اپنے آفس بھی نہیں پہنچی تھی۔جب نک سک سے تیار لُبنٰی نے دھاوا بول دیا۔

"اپنے سارے کام اسی لمحے ادھر ہی چھوڑ دو۔امی ابو نے تمہیں دو تین ہفتوں کی چھٹی دے دی ہے۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری ذمہ داری دانش دیکھے گا۔تم فوراً سے اُٹھ کر میرے ساتھ شاپنگ پر چلو۔کل صبح چھ بجے ٹرین نکلنی ہے اور میرے پاس ڈھنگ کا نہ کوئی جوڑا ہے نہ ہی جوتا ہے۔"

"میں نے اپنی ان گناہگار نگاہوں سے ابھی پچھلے ہفتے تمہاری شاپنگ دیکھی تھی۔جس میں تم نے پورے پانچ نئے پارٹی ڈریس خریدے تھے۔"

"ہاں تو اس بات کو اب پورا ڈیڑھ ہفتہ گزر گیا ہے۔اُن میں سے دو جوڑے دوست کی سالگرہ پر پہنے ایک اُسکو گفٹ کر دیا۔ایک کا رنگ مجھ پر سوٹ نہیں کیا۔ایک امی ابو کی لڑائی کی صلح والے دن پہن لیا تھا۔اب آ جا کر ایک ہی بچا ہے۔اب کیا میری یہ اوقات ہے۔میں اپنی اکلوتی خالہ زاد کی منگنی پر وہی پُرانے جوڑے پہنوں؟"

"نہیں جتنے مرضی نئے خرید لو۔ویسے بھی تمہارے ساتھ بحث کر کے اپنا ہی دماغ کا رائتہ بنانے والی بات ہے۔تم نے کونسا اپنا موقف چھوڑنا ہے۔"

"یہ کی ہے نا دوستوں والی بات۔۔۔شاباش۔۔۔!اب چلو میرے ساتھ تم بھی شاپنگ کرو۔امی نے خاص تمہارے لیے اگلے مہینے کی تنخواہ ایڈوانس دی ہے۔کاش اُنکو علم ہوتا کہ تم کس قدر کنجوس مکھی چوس ہو۔وہی گھسے پٹے کُرتے جینز ہی پہنتی رہو گی۔جواب تک رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہونگے کہ یا اللہ آخر ہم نادانوں نے ایسا کیا گناہ کر دیا تھا جو اس عورت کا نصیب بنے۔اب وقت آ گیا ہے کہ تم بھی اپنے اوپر کچھ پیسے خرچ کر لو۔جیسے کہ ایک عدد ہیر کٹ کی تمہیں اشد ضرورت ہے۔پلکنگ کے ساتھ ساتھ اتنی رف ہوتی اسکن کا بھی کوئی علاج بنتا ہے۔سچی بات ہے کہ تم سے زیادہ تو وہ دانش اپنی اسکن کا خیال رکھتا ہے۔ابھی پرسوں مالی سے اجازت لیکر ایلو ویرا کی دو چار شاخیں توڑ کر گھر لیکر گیا ہے۔اپنے چہرے اور بالوں میں لگانے کے لیے"

"ہاں تو جوان جہان انسان ہے۔اُسکا بھی اچھا لگنے کو جی چاہتا ہے۔"اُس کی بات کو ایک دفعہ پھر لُبنیٰ نے اُسی پر اُلٹ دیا۔

"یہ چیز۔۔۔بالکل یہی چیز میں تمہارے اندر بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تم میرا وقت ضائع کر رہی ہو اور یاد کروا دوں۔منگنی میری نہیں ملیحہ کی ہے۔اس لیے آج کا دن جا کر ڈٹ کر کام کرو۔کل ویسے ہی ہمیں سفر میں ہونا ہے۔"

"ایک بات تو بتاو۔۔۔؟"لُبنیٰ کے سنجیدگی سے پوچھنے پر وہ پوری توجہ سے بولی۔۔

"پوچھو؟"

"کبھی اپنی آدم بیزاری کی وجہ سے شرم بھی آئی ہے یا نہیں؟"

"یہ کیسا فضول سوال ہے۔تمہیں آخر کہاں سے میں آدم بیزار لگتی ہوں۔میں کالا چولا ڈال کر جنگلوں میں تو

نہیں بسی ہوئی ہوں۔ تمہارے سامنے اسی دنیا میں رہ کر وہی عام معاملاتِ زندگی نبھاتی ہوں۔ ہاں میں تمہاری طرح فضول خرچ نہیں ہوں۔ بلاوجہ بناؤ سنگھار کرنے کی کوئی وجہ میرے پاس ہے نہیں ہے۔"

"نہیں خیر یہ تو نہ کہو۔ وجہ تو ماشاءاللہ بہت بڑی اور ہینڈسم ہے۔ جسے تم خود ہی نظرانداز کیے پھر رہی ہو۔"

لُبنٰی کی بات پر اُس کے چہرے پر سے ساری نرمی جاتی رہی۔

"اب تم جاؤ۔ مجھے کُچھ ضروری پیپر دیکھنے ہیں۔ رات کو شاپنگ پر چلیں گے۔ یا شام کو۔۔۔ مگر ابھی مجھے بہت کام ہے۔"

"ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہو۔"

"پھر بھی تم کونسا سبق لیتی ہو۔ جو ذکر مجھے پسند نہیں۔ کتنی دفعہ کہوں میرے سامنے اُسکا حوالہ بھی استعمال نہ کیا کرو۔ مجھے ایک ایک کر کے ساری باتیں یاد آ جاتی ہیں۔ اور میرا دل کرتا ہے۔ خود کو ختم کرلوں۔ میں یہاں شوق سے نہیں آئی ہوں۔ فقط اسی ایک رشتے کو بُھلانے کے لیے آئی ہوں جو تم وقتاً فوقتاً مجھے یاد کروا کر مجھے بددل کر دیتی ہو۔"

"اچھا بابا سوری۔۔۔!! چلو تم اپنا کام کرو۔ شام کو کوئی بہانہ مت لیکر بیٹھ جانا۔ اور ہاں تمہاری ساری شاپنگ بھی میری مرضی سے ہوگی۔ میں مزید یہ جینز اور کُرتے برداشت نہیں کرسکتی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ دیکھی جائے گی۔ ابھی تو کھسکو۔۔۔"

لُبنٰی کے وہاں سے ہٹتے ہی وہ اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

مگر لُبنٰی شام ہوتے ہی لوٹ آئی اور اس بار اُسکی ایک نہ چلنے دی۔ وہ مجبوراً سارا کام آدھا ادھورا ویسے ہی چھوڑ کر اُس کے ساتھ ہوگئی۔ کیونکہ کل ٹرین مس کرنے کا اُسکا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

اپنے لیے اُس نے اپنی مرضی سے صرف ایک جوڑا لیا۔ ہریرہ کے لیے البتہ ہمیشہ کی طرح دل کھول کر شاپنگ کی اور ملیحہ کے لیے وائٹ گولڈ کا نگوں والا انتہائی سٹائلش سا برسلیٹ لیا۔ جبکہ لُبنٰی حسبِ عادت نہ جانے کیا کیا الم غلم اُٹھا کر لے آئی تھی۔ گھر آ کر پیکنگ کرتے وقت اُس نے تین جوڑے اُسکے بیگ میں یہ کہہ کر ٹھونسے کہ یہ میری طرف سے تمہارے لیے۔ اُس نے بس مُسکرانے پر اکتفا کیا کیونکہ وہ کبھی بھی وہ سب کپڑے

استعمال کرنے والی نہیں تھی۔ اینڈ پر لُبنٰی کو خود ہی پہننے تھے۔

اگر سفر میں پورا جلوس نکالنے کو ایک لُبنٰی کا پھٹا ڈھول ناکافی تھا تو ساتھ میں اُسکا گرو بلال کی شکل میں موجود تھا۔ سارا راستہ شاید ہی کوئی سٹاپ ایسا گُزرا ہو جس پر ٹرین رُکی ہو اور وہ دونوں نیچے اُتر کر کھانے پینے والے اسٹالز پر نہ ٹوٹے ہوں۔ اپنی بوگی میں سے نکل کر دوسرے لوگوں سے ہائے ہیلو کرتے ہوئے بلال نے سب کے سامنے ایک سوایک دفعہ کا دیکھا ہوا لُبنٰی کا ہاتھ دوبارہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے دیکھا دیکھی کئی مرد اور عورتیں ہاتھ دیکھانے کی نیت سے پاس آ کھڑے ہوئے۔ اس سارے تماشے کے دوران وہ اُن دونوں سے نظر بھی نہیں ملا رہی تھی۔ بلکہ چہرے پر صاف بورڈ چسپاں تھا۔

”میں ان دونوں کے ساتھ نہیں ہوں۔ نہ ہی انکو جانتی ہوں۔“

یہ شُکر کیا کہ ہریرہ سارا راستہ تقریباً سوتا ہی رہا تھا۔ کچھ بلال کا حُلیہ بھی ایسا تھا۔ اسرار شاہ کی طرح لمبے بال بڑھی ہوئی داڑھی۔۔۔ گھسی پٹی سی جینز کے اوپر سفید کُرتا۔ انگلیون میں کئی سچے نگوں والی انگوٹھیاں۔۔۔ بھولے لوگ اُسکو کوئی پہنچا ہوا بابا ہی سمجھنے لگتے تھے۔ عمر میں وہ لُبنٰی سے چھوٹا تھا۔ مگر اپنے قد وقامت کی وجہ سے بڑا لگتا حالانکہ لُبنٰی بھی کوئی نازک بدن حسینہ نہیں تھی۔ اگر ایک ہاتھ رکھ کر مارتی تو اگلے کو نانی یاد آنا لازمی بات تھی۔

اللہ اللہ کر کے گاڑی لاہور اسٹیشن پر رُکی۔ تینوں کے پاس ٹوٹل چار بیگ تھے۔ کراچی سٹیشن پر تو کار سے ٹرین تک اُن لوگوں نے اپنا سامان خود اُٹھا کر رکھا تھا۔ جبکہ اس وقت ایسی نوبت ہی نہیں آئی۔ بلال سے متاثر ہونے والے لڑکوں نے بخوشی سامان سروں پر اُٹھایا اور بلال کے ساتھ جلوس کی شکل میں چل دیئے۔

لُبنٰی ہریرہ کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اردگرد کا جائزہ لینے میں مصروف تھی جبکہ وہ خود خون کے گھونٹ پی رہی تھی۔

اب ناجانے لُبنٰی کی خالہ یعنی خدیجہ آنٹی کا ڈرائیور اُنکو لینے کے لیے موجود بھی تھا یا بھول گئے ہونگے۔ ہریرہ آج پہلی دفعہ اپنے گھر جا رہا تھا۔ اس سے پہلے ملیحہ اپنے امی ابو کے ہمراہ آکر ایک دو دفعہ اُس سے مل چُکی تھی۔

جب تک وہ دلیلوں کے زیرِ اثر لُبنٰی کی ہمراہی میں ہریرہ کو گود میں اُٹھائے سٹیشن سے باہر آئی۔ بلال گاڑی

پہچان لینے کے بعد سامان رکھوا چکا تھا۔ اُنکو لینے کو کوئی نوکر نہیں آیا تھا۔
سامنے موجود جو آدمی بلال سے بغل گیر ہو رہا تھا، اُس پر نظر پڑتے ہی وہ پھٹی آنکھوں سے اُس کو دیکھتی رہ گئی۔ کان میں خدیجہ آنٹی کے الفاظ اُسکو اپنا مذاق اُڑاتے ہوئے محسوس ہوئے جنہوں نے کہا تھا۔ ''جس کی وجہ سے تم نہیں آنا چاہتی ہو۔ وہ جاپان گیا ہوا ہے۔''
مگر اُس کے ساتھ جھوٹ بولا گیا تھا۔
دوسری جانب وہ بھی اُسکو دیکھ چُکا تھا۔ وہ اُسکے چہرے پر چونکنے کے تاثرات نوٹ کر گئی تھی اور یہ اُسکی زندگی کا پہلا موقع تھا جب اُس نے میسم طلال کو غور سے دیکھا تھا یا پھر یہ کہنا بہتر ہوگا کہ پہلی بار یوں براہِ راست دیکھا ہے۔۔ اس وقت اُس نے گہرے براؤن رنگ کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ جس کے کف فولڈ کئے ہوئے تھے۔ پیروں میں لیدر کے کالے سینڈل موجود تھے۔
وہ کتنی دیر آنکھیں جھپکائے بغیر اُسکو دیکھتا رہ گیا۔ جو اپنے یہاں آنے کے فیصلے پر سرے سے پچھتا رہی تھی۔ وہ اگلے سو سال بھی اس شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت وہ اُس سے چند قدم کے فاصلے پر آنکھوں میں بے یقینی لیے کھڑا تھا۔
بے یقینی کی جگہ دُکھ نے لی اور پھر غصے نے ہر جذبے کو چھپا دیا۔
دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ عین اُسکے سامنے آکر رُکا۔ اس وقت میسم کا سارا فوکس ہریرہ پر تھا۔ جسے محسوس کر کے ہریرہ کی ماں کی گرفت ہریرہ پر اور بھی مضبوط ہوگئی۔
میسم آنکھوں میں نرمی لیے اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ بیٹا اور اُسکی ماں باقی تو سب کو دیکھ رہے تھے سوائے اُسکے باپ کے۔۔۔
میسم نے ہاتھ بڑھا کر ہریرہ کو گود میں اُٹھا لیا اور وہ جو ہریرہ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے سے یہ سوچ کر بیٹھی تھی۔ کبھی بھی میسم کو اُسکا بیٹا دیکھنے نہیں دے گی۔ اس لمحے کُچھ نہ کر پائی۔ بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے بس دیکھتی رہ گئی۔
میسم نے ہریرہ کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام کر اپنے سر سے اونچا کیا۔ جس پر ہریرہ کا دھیان باپ

کی جانب ہوا۔

''ہیلو۔۔۔بے بی۔۔۔ ڈو یو نو ہو آئی ایم؟ایم یور ڈیڈی۔۔۔!!''

نم آنکھوں سے اپنے بیٹے کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے میسم نے اپنا تعارف کروایا۔دوسری جانب چار ماہ کا ہریرہ آنکھیں بند کر کے اپنے جان لیوا انداز میں مسکرا اُٹھا۔

بانہیں نیچے کر کے میسم نے ہریرہ کے ماتھے پر دھیرے سے لب رکھے۔جو اُسکے ناک میں اُنگلی ڈال کر آپریشن کرنے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔میسم نے اُسکا ہاتھ نہیں روکا۔بلکہ مُسکراتی نظروں سے اُسکو دیکھتا رہا۔۔

لُبنیٰ آکر اُسکے گلے ملی تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا اور خود اپنی کیفیت پر حیران رہ گیا۔کیونکہ وہ بالکل فراموش کر گیا تھا کہ وہ اس وقت بیچ راستے کے کھڑا ہے۔

لُبنیٰ سے ملنے کے بعد وہ اپنی بیوی کی جانب پلٹ کر دیکھے بغیر بیٹے کو گود میں کسی قیمتی اثاثے کی طرح سمیٹے گاڑی کا جانب بڑھ گیا۔مگر خود ڈرائیونگ سیٹ کی جانب جانے کی بجائے پیسنجر سیٹ کی طرف آ گیا۔ڈرائیونگ سیٹ بلال نے سنبھالی۔۔۔

لُبنیٰ اور وہ پچھلی سیٹوں پر براجمان ہوئیں۔بلال نے گاڑی آگے بڑھادی تو وہ بلال اور لُبنیٰ سے مُخاطب ہوا۔۔۔

''تم لوگوں کے دل میں بھی اس تمام عرصے میں میرے لیے اتنا سا رحم بھی نہیں آیا کہ تم مجھے بتا سکتے۔اس سارے وقت میں میرا بیٹا آپ لوگوں کے ہاں موجود تھا۔''

''سوری یار پر خالہ کا حکم تھا۔ہم کیا کرتے؟''

بلال کی صفائی پر وہ بے دلی سے مُسکرا دیا۔دھیان اب بھی سارا ہریرہ پر ہی تھا۔جو پہلے تو آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔پھر اچانک رونا شروع ہو گیا۔

اُسکی ماں نے ہریرہ کو واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے میسم نے نظر انداز کر دیا بلکہ اپنی جیب سے موبائل برآمد کر کے رنگ ٹیون لگا کر ہُریرہ کو تھمایا۔ساتھ ہی اُس کا رونا بند ہو گیا۔

پچھلی سیٹ پر اُس نے آگے بڑھائے ہوئے ہاتھ پہلو میں گرا لیے۔میسم اُسکو نظر انداز کر رہا تھا۔جس پر

عام طور پر وہ خوش ہی ہوتی۔ مگر اس وقت نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت ہریرہ میسم کی گود میں تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اُسکی ساری توجہ اُسی جانب تھی۔

☆......☆......☆

وہ سارا راستہ اسی ایک نقطے کو سوچتی رہ گئی۔ آیا اس آدمی کی آنکھوں میں دُکھ کس بات کا جاگا تھا۔ بے یقینی سمجھ آتی تھی۔ غُصہ بھی جائز تھا۔ پر اُن دونوں کے درمیاں دُکھ کی جگہ کہاں بچتی تھی۔ مگر اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ میسم طلال کی نظروں میں دُکھ جاگا تھا۔ جو کہ فقط چند سیکنڈ کے لیے ہی تھا۔ مگر تھا ضرور۔۔۔

آج وہ پورے ایک سال بعد وہاں لوٹی تھی۔ بڑا پرتپاک استقبال ہوا تھا۔ خدیجہ نے ساتھ لگا کر پیشانی چومی۔ واری صدقے گئیں۔

ہریرہ کے روئی جیسے گال سب کے باری باری چومنے سے لال ٹماٹر ہو رہے تھے اور وہ راجہ اندر بنا سب سے پیار وصول کر رہا تھا۔

میسم اُن سب کے درمیان موجود نہیں تھا۔ کم از کم رُباب کو اس بات سے بڑی تقویت مل رہی تھی۔ ملازم نے چائے لگنے کی اطلاع دی۔ طلال احمد کی معیت میں ہی سب ڈائننگ ٹیبل تک آئے۔ خدیجہ ہریرہ کو گود میں لیے "ابھی آئی" کہتیں وہاں سے نکل گئیں۔

رُباب کی نظروں نے اُنکا پیچھا کیا۔ پھر دل کو یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ وہ اوپر نہیں گئیں تھیں۔ شائد ہریرہ کی نیپی وغیرہ بدلنے کی نیت سے اپنے کمرے میں لے گئی ہوں۔ خود کو ایسی ہی تاویلیں دیتے ہوئے اُس نے مارے بندھے ایک کپ چائے ہی لی۔

البتہ بلال اور لُبنٰی ہر لحاظ بلائے تاک رکھ کر اپنی خالہ کے گھر کا رزق ایسے کھا رہے تھے جیسے کھانے کا حق ہوتا ہے۔

"رُباب بیٹی تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں ہے۔ کم از کم یہ سپنج کیک تو ٹرائی کرو۔ یہ تمہاری بہن نے بنایا ہے۔ جو آج کل اپنی بیکنگ کے شوق میں ہمیں موٹا کر رہی ہے۔"

طلال احمد نے شفقت سے مُسکراتے ہوئے رُباب کو سپنج کیک کی آفر کی اور ساتھ ہی اُسکی ہسٹری بتائی۔

جبکہ لُبنیٰ اُنکی نفی کرتے ہوئے بولی۔

"خالو جی جانے دیں۔آپ پر تو چربی کی ایک چھینٹ بھی نہیں ہے۔موٹاپا آپ کے سامنے موجود ہے۔ اُسکے سامنے خود کو موٹا بول کر اُسکی توہین تو نہ کریں۔"

اُسکا اشارہ بلال کہ جانب تھا۔جو ایک تو بہت زیادہ قد آوار بندہ تو تھا ہی۔مگر جسامت بھی جن والی تھی۔ اوپر سے لباس کا انتخاب بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔لونگ نیکرز اور ٹی شرٹس۔۔۔

"بھئی اسکے ساتھ تو اپنا مقابلہ ہے بھی نہیں۔یہ رہا جوان بندہ ہم ہوئے بڈھے لوگ۔پرہیزی کھانے بھی ڈر ڈر کے کھانے والے۔اسکے سامنے تو ہم نے چھوٹا ہی لگنا ہے ناں۔"

"زکوٹے زیادہ خوش مت ہونا۔ابو یہاں ہتھ ہولا رکھ کر بات کر رہے ہیں۔آخر آج تمہارا پہلا دن ہے۔ آتے ہی تو عزت افزائی نہیں کر سکتے۔"

ملیحہ کی بات پر بلال کیک کا بڑا سا نوالا حلق سے نیچے بھیجنے کے بعد بولا۔۔۔

"انکل یہ آپ نے بڑا اچھا کیا جو اس سوغات کو ٹھکانے لگا رہے ہیں۔اب کم از کم میں یہاں آ کر آزادی سے جتنا عرصہ مرضی رہ لیا کرونگا۔کوئی نوالے گننے والی نہیں ہوگی۔"

خدیجہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اندر آئیں۔

"تم دونوں شروع ہو بھی گئے ہو۔چائے تو سکون سے پی لینی تھی۔" پھر رُباب سے مُخاطب ہوئیں۔

"بیٹی مجھے ہریرہ کا دوسرا لباس دے دو۔میں بدل دوں۔اُس نے کپڑوں پر دودھ پھینک دیا ہے۔"

وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ رہنے دیں۔میں بدل دیتی ہوں۔ساتھ میں فیڈ بھی کروا دونگی۔ایسی کاروائی کے بعد اُسکو بھوک بڑی لگتی ہے۔"

"اچھا جاؤ پھر۔۔۔اینڈ پر کونے والے کمرے میں بیڈ پر لٹا کر آئی ہوں۔جا کر اُس کو دیکھ لو۔۔۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ آئی۔کیونکہ اب ہریرہ اُٹھنے کو کوشش میں اپنی جگہ پر لیٹا ہی گھومتا پھرتا تھا۔اسلیے بیڈ سے گرنے کا خطرہ رہتا۔

ملازمہ کو سامان میں سے ہریرہ کے بیگ کی نشانی بتا کر بیگ لانے کا کہا اور خود اُس کمرے کی جانب آ گئی۔

☆......☆......☆

امی ہریرہ کو اُسکے پاس لیکر آئیں تھیں جسے وہ اندر آتے ہوئے اُنہی کی گود میں ڈال کر آیا تھا۔

ملیحہ کی کہی بات سچ تھی۔ ہریرہ ہو بہو میسم کو اپنی ہی تصویر لگا۔ بڑی خاص کشش محسوس ہوئی تھی۔ دل کو گرما دینے والی۔ دل کا لوتھڑا جیسے پانی میں بدل گیا ہو۔

اوپر سے ہریرہ کی ادائیں۔ وہ اگلے بندے کی ہر بات پر رسپونس کر رہا تھا۔ اِویں مسکرائے جاتا۔

خدیجہ نے میسم کو چھیڑا۔۔۔

''تمہارا بیٹا تو لسی لینے والوں کی طرح اپنی بابا مُسکراہٹ ہی دیکھائے جاتا ہے۔ ماں باپ تو اتنے ہنس مُکھ نہیں ہیں۔ میرا بچہ لگتا ہے۔اپنی دادو پر ہی چلا گیا ہے۔''

میسم نے ہنستے ہوئے ہریرہ کو گود میں اُٹھا کر ہوا میں اُچھلا تھا۔ ہریرہ قہقہ لگا کر ہنسا اور اندر کا سارا مال منہ کے راہ باپ پر اُنڈیل دیا۔ جو اُسکے سر اور سینے پر گرا۔ جواب میں وہ چلا اُٹھا۔

''اوئے گندے بچے۔۔۔!!۔۔۔یہ کیا کیا ہے؟''

خدیجہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا تھا۔

''اس کو بیڈ پر ڈالو اور جا کر اپنے کپڑے بدلوں۔ میں اسکو صاف کرتی ہوں۔''

''پر امی یہ ٹھیک تو ہے۔اس نے اُلٹی کیوں کی ہے؟ کہیں ٹرین میں کوئی گندی مندی چیز تو نہیں کھالی۔''

وہ اپنی خراب حالت کی پرواہ کیئے بغیر فکرمندی کے ساتھ ماں سے استفسار کر رہا تھا۔

''میسم یہ چار ماہ کا بچہ ہے۔ چار سال کا نہیں ہے۔ یہ تو ابھی ماں کے دودھ کے علاوہ کسی غذا سے واقف نہیں ہے اور اس عمر میں بچے ایسے کام کرتے رہتے ہیں۔ اب آ گیا ہے ناں دن رات اسکو سنبھالو سارا پتا لگ جائے گا۔''

''مگر امی اتنا چھوٹا سا بچہ بھلا کیوں بلا وجہ کھانا باہر گرائے گا۔ یقیناً کوئی مسئلہ ہوتا ہوگا۔ آپ اسکو صاف کریں۔ میں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔''

خدیجہ ایک دفعہ پھر ہنسنے لگیں۔
"میرے دیوانے بیٹے۔۔۔ بچے کا معدہ چھوٹا ہوتا ہے۔ مائع غذا لیتے ہیں۔ ذرا زیادہ مقدار میں اندر جاتی ہے۔ تو اس طرح اُچھالنے سے باہر کو نکل آتی ہے۔ جاؤ تم جا کر یہ کپڑے اُتارو۔ بدبو آرہی ہے۔"
وہ حیران ہوتا ہوا الماری میں سے اپنا دوسرا استری شدہ شلوار سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ کیونکہ سارے بال چپک گئے تھے۔ نہائے بغیر گزارہ نہیں تھا۔ البتہ اس دوران مسکراہٹ نے اُسکے ہونٹوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔
لباس پہننے کے بعد تولیے سے سر رگڑتا ہوا۔ واش روم کا لاک کھولنے ہی والا تھا۔ جب باہر سے آنے والی آواز پر ہاتھ رُک گیا۔
"آج تو میرے بھالو کو بڑی ہنسی آرہی ہے۔۔۔ ہیں؟؟؟ اپنے ابے کو دیکھ کر خوش ہوئے ہو؟۔۔۔ زیادہ شوخا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پٹائی کرونگی۔" وہ بولنے والی کا چہرہ دیکھے بغیر ہی پہچان گیا تھا۔ جواب میں ہریرہ کی قلقاریاں گونج رہی تھیں۔
بڑی آہستگی سے بغیر آواز پیدا کیئے لاک کھول کر وہ واش روم سے باہر آیا۔
درمیان میں موجود پردے کو سرکا کر کمرے کے اندر آ کر ڈریسنگ کے سامنے سے برش اُٹھا کر بال سنوارتے ہوئے گلا صاف کرنے کے شروع ہوا۔
رُباب کی اُسکی جانب پشت تھی جواب اپنے دھیان میں بیٹھی ہریرہ کو گود میں لیے فیڈ کروا رہی تھی۔ اپنے پیچھے میسم کی آواز سُن کر ساکت سی ہو گئی جو کہہ رہا تھا۔
"میرا ایک جی چاہ رہا ہے۔ تمہارے سینے کی گرمی میں محفوظ بیٹھے اپنے بیٹے کو تم سے الگ کروں اور تمہیں اس گھر سے اور اسکی زندگی سے ہمیشہ کے لیے دفع کر دوں۔ یہ چاہت میرے دل کے اُس حصے کی ہے۔ جسے اب تم سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ جو تمہاری شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہے۔"
رُباب کو اپنے دل کی دھڑکن کنپٹیوں میں دھڑکتی محسوس ہوئی۔ وہ اُس کے ساتھ آمنا سامنا اس طرح سے تو نہیں چاہتی تھی۔ بند کمرے میں تنہا۔

میسم تو وہ شخص تھا۔ جو جذبات کا اظہار لفظوں کی بجائے عمل سے کرتا تھا چاہے وہ اُس سے ناراض تھا۔ نفرت کرتا تھا۔ مگر وہ تھا تو وہی پُرانا والا میسم طلال۔۔۔۔ اُسکا جی چاہا ہریرہ کو کندھے سے لگا کر یہاں سے بھاگ جائے۔ اس شخص سے دور اس گھر سے دور۔۔۔۔ میں آخر کیوں آ گئی؟؟؟

میسم اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے برش واپس رکھ کر چلتا ہوا رُباب کی جانب آیا۔ کُرسی اُٹھا کر بیڈ کے پاس عین رُباب کی سامنے رکھ کر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔

نظریں رُباب کے چہرے پر گڑی جا رہی تھیں۔ جو پیرٹ اور گرین کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ جس پر آتشی کے ایک شیڈ سے پائپنگ ہوئی تھی۔ سامنے گلے پر آتشی ہی بڑا سا پھول بنا ہوا تھا۔ دوپٹہ تین رنگوں کا تھا۔ لئیرز میں کٹے سلکی بال چہرے کے دونوں جانب ہالے کی. صورت میں گرے ہوئے تھے۔ وہ دل میں اُتر جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ تو پہلے ہی اگلے کے دل میں گھر بنا چکی ہوئی تھی۔ اس صورت میں سامنے والے کی حالت کا خود ہی اندازہ لگالیں۔ جبکہ وہ نگاہیں جُھکائے بیٹھی پچھتا رہی تھی۔ وہ بولا۔

"اور میرے دل کا ایک حصہ کہہ رہا ہے۔ میں تمہارے سامنے بیٹھ کر ایک دفعہ غور سے تمہارا ہر ہر نقش پڑھوں۔۔ آیا ماں بن کر تمہارے حُسن میں اور کتنا اضافہ ہوا ہے۔ جانتی ہو یہ میرے دل کے کس حصے کی خواہش ہے؟ یہ میرے دل کا وہ والا حصہ ہے جس نے تمہیں پانے کے پہلے لمحے سے ہی تم سے محبت کی تھی۔ جس محبت کے منہ پر تم نے وہ طمانچہ مارا ہے جسے دیکھ کر میں یہی کہوں گا۔ کوئی خودکُشی تو کر لے۔ پر محبت نہ کرے۔"

وہ جانتی تھی کہ ہریرہ کا پیٹ ابھی نہیں بھرا ہوگا۔ مگر وہ سو گیا تھا۔ اُس نے اُسکو ہلا کر متوجہ کرنے کی بجائے دوپٹے کے نیچے سے ہی کھینچ کر اپنا دامن سیدھا کیا۔ کانپتے ہاتھوں سے ہریرہ کو بیڈ کے درمیان میں لٹایا۔ پائنتی پر رکھا کمبل اس پر ڈالا اور جلدی سے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے ایک جھٹکے سے رُک گئی۔

اُسکی کلائی میسم کی گرفت میں تھی اور وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔

"کب تک مجھ سے بھاگنا ہے؟ آخر ایک نہ ایک دن تمہیں میرے روبرو ہو کر میرے سوالوں کے جواب دینے ہی پڑیں گے۔ قدرت نے اگر آج کا موقع فراہم کر ہی دیا ہے۔ تو مجھے تم سے میرے ہر سوال کا جواب چاہیے۔"

گرفت اتنی مضبوط تھی۔رُباب کو اپنی جلد میں اُسکی اُنگلیاں گھستی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔اُس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر اجتناب کرتے ہوئے رُباب نے اپنے دوسرے ہاتھ کی مدد سے اپنا بازو چھڑوانا چاہا۔مگر میسم نے اُسکا وہ ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لیکر دونوں بازوں اُسکی پُشت کی جانب موڑ کر تھام لیے۔

اب رُباب کا چہرہ میسم کے سینے سے مس ہو رہا تھا اور میسم کے بازوؤں کے گھیرے میں سر جھکائے کھڑی آنسو پینے کی کوششوں میں تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے کہیں پر ایک پنجابی کا شعر پڑھا تھا۔سُنو گی؟''

''پلیز مجھے چھوڑ دیں۔۔۔۔''

''شاعر کہتا ہے۔

لکھ بھاویں ہار شنگھار کرے' پئی نخرے ناز ہزار کرے

جس نوں پریتم اپنا نہ سمجھے،اوا جے سہاگن ہوئی نہیں۔۔۔۔

تم نے ایک دن بھی میرے لیے ہار سنگھار نہیں کیا۔تم نے کبھی بھی مجھے ناز ادائیں دیکھا کر میرا دل لُبھانے کی کوشش نہیں کی اور میں نے پھر بھی تم سے محبت کی۔تمہیں اپنی ذات کا حصہ بنایا۔تم نے کیا سمجھا تھا۔ایک ڈے ڈریمر،ناکام سا لڑکا جو شوہر بننے کی خوشی میں اندھا ہوا،اپنے ازدواجی حقوق وصول کر رہا ہے۔معاملے کی سنگینی سے واقف ہی نہیں ہے۔''

''میسم پلیز مجھے جانے دیں۔۔۔''

ایک عدد آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ گیا تھا۔وہ پھر بھی ہمت کرتے ہوئے احتجاج کر رہی تھی۔

''گاڈ ڈیمڈ میں تمہاری ہر تکلیف سے واقف تھا۔کیونکہ مجھ پر بھی وہی کچھ بیتا تھا۔جو کچھ تم نے سہا۔۔۔۔''

اس دفعہ وہ چیخ اُٹھی۔۔۔

''آپ واقف نہیں تھے۔۔۔!! آپ کو میری تکلیف کا اندازہ تک نہیں تھا۔نہ ہی آپ پر وہ سب بیتا جو میں نے سہا ہے۔ نہ آپ کے ماں باپ چھوٹے ہیں۔نہ آپ کے کردار پر کیچڑ اُچھالا گیا۔نہ آپ کی جگ ہنسائی ہوئی۔نہ کسی رشتے کو کھونا پڑا۔نہیں ناں؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے اور جس کی وجہ سے ہوا ہے۔وہ چاہتا

ہے۔ میں ہر بات بھول کر اُسکے ساتھ ایک شاندار قسم کی ازدواجی زندگی گزاروں۔ آپ محبت کی بات کرتے ہیں۔ اپنے دوستوں کی دعوتیں یوں وصول کرتے رہے۔ جیسے یہ شادی دلی خواہش کی بنا پر ہوئی ہو۔ آپ کو مجھ سے نفرت کرنی چاہیے تھی۔ سب کے سامنے مجھے بُرا بھلا کہنا چاہیے تھا۔ سب کو سچ سے واقف کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ لوگوں کو علم ہوتا یہ نکاح آپکی کنپٹی پر بندوق تان کر کروایا گیا تھا۔ زبردستی مجھے آپ کی بیوی بنایا گیا تھا۔ تو ہو سکتا ہے۔ میرے جلتے دل پر کچھ ٹھنڈی چھینٹیں پڑتیں۔ میرے کردار پر لگے داغ کا کچھ حصہ تو کم ہوتا۔"

وہ خود اذیتی کو دھیرے سے مُسکرایا۔ اُسکے بازوؤں پر گرفت ڈھیلی کر دی مگر کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے اور رُباب کے درمیان کا فاصلہ بالکل ختم کر دیا۔ رُباب جان گئی تھی وہ جتنا احتجاج کرے گی، وہ اُتنا ہی ضد میں آئے گا۔ اس لیے دھیمی پڑ گئی۔

"کیا تم نے اس نُقطے پر غور کیا ہے۔ آج تم وہ پہلے والی سرد مہر خاموش رُباب بالکل نہیں ہو۔ آج تم میرے ہر عمل پر ردِ عمل دیکھا رہی ہو۔ جس لڑکی کو آج میں نے ٹرین سٹیشن پر گود میں بچہ اُٹھائے دیکھا ہے۔ وہ کوئی اپنی زندگی سے اُکتائی دُکھی سی بے بس لڑکی تو نہیں ہے۔ وہ تو بڑی پُر اعتماد' خوش اور مطمئن لڑکی ہے۔ کبھی دو پل کو سوچا کہ ایسا کیوں ہے۔؟ سوچا ہے؟"

"میری خوشی کی وجہ میرا ہریرہ ہے۔ اُس نے مجھے مکمل کر دیا ہے۔ دل پر اُبھرے سارے گڑھے' کھڈے پُر کر دیئے ہیں۔ میں ماضی کو سوچ کر غمزدہ ہوتی بھی ہوں۔ تو جب نظر اسکے چہرے پر پڑتی ہے۔ یہ مجھے دیکھ کر مُسکرا رہا ہوتا ہے۔ جواب میں مجھے ہر غم بھول جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے۔ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی اگر میں ماضی میں گم رہوں گی۔ تو یہ بہت بڑی ناشکری ہوگی۔"

اس دفعہ وہ جواب میں کتنی دیر بول تک نہ سکا۔ رُباب کی کمر سے اپنا بازو ہٹا لیا۔ وہ شاید اسی انتظار میں تھی۔ فوراً اُسکے اور اپنے درمیاں فاصلہ پیدا کرتے ہوئے دور ہو کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنی پہلے والی نشست پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"جس دن تم اور میں جی ٹی روڈ پر چلتے ہوئے آرہے تھے۔ کیا تمہیں وہ دن یاد ہے؟ میرا منہ سوُجا ہوا تھا۔ ایک آنکھ بالکل نہیں کُھل رہی تھی۔ میری پسلیوں میں اتنا درد تھا۔ کہ ایک ایک قدم اُٹھانا بھی تکلیف کا باعث بن

رہا تھا۔ میرا دماغ غصے سے اُبل رہا تھا۔ کونسا وقت ہوتا جب میں لاہور پہنچ کر پولیس سے رابطہ کرتا۔ میں نے پورا ادارہ کرلیا ہوا تھا۔ مجھے اُن لوگوں کی ایک دفعہ ٹھکائی ضرور کروانی ہے۔

اُس وقت تک ذہنی طور پر میں اکیلا ہی سڑک کے کنارے اپنی پیٹرول ختم ہوئی ٹوٹے چین والی موٹر سائیکل کو گھسیٹے جارہا تھا۔

جب اپنے پیچھے سے آتی آواز پر چونکا۔۔۔۔

آدھے گھنٹے کی سنگت میں تم نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اور مجھے بتایا کہ آگے نظر آنے والے اسٹاپ پر ایک چھوٹی سی ورکشاپ ہے۔ جہاں سے پیٹرول بھی مل جاتا ہے۔ ساتھ ہی تم نے دو تین ہزار کے نوٹ میری جانب بڑھائے۔ میرا حقیقی طور پر خون کھول گیا تھا۔ جی چاہا تمہیں اُٹھا کر کسی ہائی سپیڈ سے جاتے ٹرک کے نیچے پھینک دوں مگر خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

دو چار ڈکانوں میں سے ایک واقعی ورکشاپ تھی۔ اُنہوں نے موٹر سائیکل کا جائزہ لیا۔ اور ٹھیک کرنے کی حامی بھرلی۔ البتہ وہ آدمی میری حالت دیکھ کر مشکوک ہورہا تھا۔ میں نے ایکسیڈنٹ کی فرضی کہانی سُنا کر فون کرنے کی سہولت کا پوچھا۔ جس پر اُس نے اپنا موبائل نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔

فیصل کو فون کرکے اُدھر آنے کا کہہ کر جب میں تھوڑا اسکون سے بیٹھا تب میری نظر تم پر پڑی۔ سٹاپ سے ہٹ کر درختوں کے جُھنڈ میں بیٹھیں تم آنسو بہا رہی تھیں۔ تمہاری توجہ میری جانب بالکل بھی نہیں تھی۔ تم آتی جاتی ٹریفک کو دیکھتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ وہ پہلا لمحہ تھا۔ جب میں نے تمہیں رُباب عالم کی بجائے رُباب میسم کے طور پر دیکھا تھا۔ میں رُباب عالم سے واقف تھا۔ مگر ایک یونیورسٹی فیلو کے طور پر۔ آتے جاتے کبھی کہیں نظر آگئیں۔ اپنے حال میں مگن اپنے کام سے کام رکھنے والی ایک ایسی لڑکی جسکا آج تک کسی کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی افیئر نہیں سُنا تھا۔ جسکو کبھی کسی غیر مناسب سرگرمی میں ملوث نہیں دیکھا تھا۔ جس کی دوستوں کا گروپ بھی انتہائی سلجھی اور لائق فائق لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ یہ سب اپنے ذہن میں تازہ کرنے کے بعد میں نے اُدھر لکڑی کے بینچ پر بیٹھے ہوئے ہی خود سے پوچھا تھا۔

''اس نے ایسا کیا کردیا ہے؟ جو اسکے گھر والوں نے اس جیسی لڑکی کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا؟۔۔۔ اور

دوسرا سوال میں نے خود سے یہ کیا کہ کیا اب میں بھی اسکو اپنے غصے اور نفرت کا شکار بناؤنگا؟'' کیونکہ جیسے بھی ہے اس لڑکی کا اختیار اب میرے ہاتھ میں دیا گیا ہے اور میں تمہارے گھر والوں کے رویے کا بدلا تم سے با آسانی لے سکتا تھا۔تمہیں وہیں چھوڑ کر گھر آجاتا۔کسی ہوٹل میں لیجا کر دو چار دن ساتھ گزارتا اور اُسکے بعد اپنی راہ لے لیتا۔مجھے ایسا کرنے سے کون روکتا؟ میرے ماں باپ یہ سمجھتے۔میں دوستوں کے ساتھ کہیں گھومنے نکل گیا ہوا ہوں۔اس نکاح سے صرف تمہاری فیملی واقف تھی۔میرا تو جگری یار تک بے خبر تھا۔تمہیں اُنہی لمحوں میں طلاق دے دیتا۔جو مرضی کرتا بھئی مگر نہیں۔۔۔میں نے برائی کا بدلا برائی سے نہیں دیا۔میرے ہاتھ میں اختیار آتے ہی میں اندھا نہیں ہوا۔تمہارے گھر والوں کا بدلا تم سے نہیں لیا۔بلکہ تمہیں اپنی عزت مان لیا اور اپنے آپ کو وہی بات کہی جو تم ہریرہ کے حوالے سے خود کو کہتی ہو۔یہ نیک عورت کسی حادثے کے تحت ہی سہی پر مجھے اگر مل ہی گئی ہے تو میں غیر اہم باتوں کو سوچ کر ناشکری کیوں کروں؟ اللہ نے تمہیں میرا لباس بنایا ہے۔مجھے تمہارا۔میں نے دنیا کے سامنے تمہیں بے آبرو نہیں ہونے دیا۔تمہیں ڈھانپ لیا۔مگر تم نے سب کے سامنے مجھے ننگا کر دیا۔''

''کاش آپ مجھے وہیں چھوڑ آتے۔کاش آپ کو اندازہ ہو پاتا کہ جن ہاتھوں سے کسی کو زخم دیا جائے۔اُنہی ہاتھوں سے مسیحائی نہیں کی جاسکتی۔میں وہاں پر موجود ہی آپکی وجہ سے تھی۔آپ میرے قصور وار ہیں۔میرے محسن نہیں ہیں۔''

''محسن کا لفظ اپنے لیے میں استعمال کرنا ہی نہیں چاہتا۔شوہر ٹھیک ہے۔مگر یہ قصور وار والی بات میری سمجھ نہیں آئی۔میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟''

''سیریسلی آپ میرے ساتھ یہ انجان بننے کی گیم کھیلنا چاہتے ہیں؟''

''میں کوئی گیم نہیں کھیل رہا ہوں۔تم سے سادہ الفاظ میں اپنا قصور بتانے کا کہا ہے۔''

''آپ میرے پیچھے کیوں آئے تھے۔میں آپکی کیا لگتی تھی؟ کس ناتے سے میرے گھر والوں سے آکر میری خیریت جاننے کا شوق چڑھا تھا؟ میں اپنے ماں باپ کے ساتھ تھی۔وہ لوگ میرے سے ناراض تھے۔مگر سب وقتی تھا۔میری چچی کی جانب سے اتنا بڑا ایشو بنایا گیا تھا۔اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھ میری منگنی ختم کر دی۔مگر ایک دفعہ ابو کا غصہ اُتر جاتا سب ٹھیک ہو جانا تھا مگر نہیں آپ نے آکر میری زندگی اجیرن بنانی تھی۔

مجھ سے میرے اپنے چھیننے تھے۔"

"اوہ ایک منٹ۔۔۔!!ایک منٹ ذرا اپنی یہ تقریر بند کرو۔ میں نے تم سے تمہارے اپنے چھیننے ہیں ؟ کیا تمہاری مت ہی ماری گئی ہے۔"

"میرے پاس ثبوت موجود ہے۔آپ نے خود میرے کزن کو بولا تھا۔رُباب کا بوائے فرینڈ ہوں۔ بڑے دنوں سے اُس نے میرے ساتھ رابطہ نہیں کیا ہے۔ ہم لوگوں نے جینے مرنے کی ساتھ قسمیں کھائی ہوئی ہیں۔ اسلیے اُسکی خبر لینے آیا ہوں۔"

وہ جو اپنی جگہ سے اُٹھ کر کمرے میں ادھر سے اُدھر چکر کاٹتے ہوئے اپنے غُصے پر قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ الفاظ سُن کر تھم گیا۔

رُباب کو اُسکی آنکھوں سے شعلے نکلتے ہوئے محسوس ہوئے۔اُسکے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ماتھے کی رگ تھرک رہی تھی۔ سفید بے شکن لباس میں اُسکی سفیدی مائل سانولی رنگت میں اس وقت گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔رُباب کے دل نے گواہی دی۔ بلاشُبہ یہ مرد دنیا کے خوبصورت مردوں میں سے ایک ہے۔ پر وہ اُسکو یہ بات کہہ نہیں سکتی تھی۔ وہ اسکی آنکھوں میں نظریں پیوست کیے بولا۔

"ہاں یہ الفاظ میرے ہی ہیں۔ میں نے یہ سب کہا تھا۔ مگر اس وقت اہم بات یہ نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تمہارے لیے قابل بھروسہ شخص میں نہیں ہوں۔ جس نے تب بھی تمہارا ساتھ دیا تھا۔ جب میں تمہارا نا محرم تھا۔ بلکہ تمہارے لیے قابل اعتبار وہ گھٹیا اور بے غیرت شخص ہے۔ جس نے سارا ڈرامہ کیا۔ یہ بات تم نے مجھے تب کیوں نہ بتائی جب میرے ساتھ آ رہی تھیں۔ تا کہ میں تمہیں واپس تمہارے کزن کے پاس چھوڑ کر آتا۔ تا کہ اس سارے کھیل میں سارے نقصان میرے حصے میں نہ آتے۔ کم از کم میں اس تعلق کو اُس مقام تک نہ لے جاتا جہاں سے یہ بچہ دنیا میں آیا۔"

"آپ ہریرہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کریں۔ نہ ہی اسکو درمیان میں لائیں گے۔ یہ صرف میرا بیٹا ہے۔"

"کیا واقعی؟ کیا واقعی یہ صرف تمہارا بیٹا ہے؟ یہ تمہارا نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف میرا خون ہے۔ میں مخلص

تھا۔ میرے جذبے پاک تھے۔ صرف میں نے تمہیں سچے دل سے اپنایا تھا۔ تم تو اپنے دل میں اتنی ساری بدگمانی اور نفرت چھپائے ہوئے تھیں۔ امی سے یہی کہا تھا نا تم نے کہ تمہیں اگر میرے ساتھ رہنے پر مجبور کیا گیا تو تم اپنے ساتھ ساتھ اس بچے کو بھی ختم کر دو گی۔"

بیڈ کی پائنتی پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے، وہ زارو قطار رو رہی تھی۔

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"ہاں تم مجھے جیتے جی مار دو اور میں تمہیں تمہاری غلطیاں بھی نہ گنواؤں؟"

"آپ جو مرضی کہہ لیں۔ میرا فیصلہ آج بھی وہی ہے۔ میں لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع نہیں دے سکتی۔ میں کبھی برداشت نہی کر سکتی لوگ کہیں ایک مرد کے لیے ماں باپ کو چھوڑ دیا ہے۔"

"پہلی بات تو یہ ایسا صرف وہ بولے گا۔ جو عقل کا اندھا ہوگا۔ ورنہ تمہارے والدین بھی جانتے ہیں۔ یہ شادی صرف اُنکی مرضی سے ہوئی ہے اور دوسرا ذرا ایک پل کو اس نگاہ سے بھی سوچ لینا کہ لوگ یہ نہیں کہیں گے۔ پہلے اس آدمی کے لیے ماں باپ کو چھوڑا۔ اب نہ جانے اور کون ہے جس کے لیے اسکو بھی چھوڑ گئی۔ اپنے بچے تک کا خیال نہیں کیا۔" آنسو اُسکی نگاہوں میں ٹھٹھر کر رُک گئے۔ اُس نے نظر اُٹھا کر غصے سے میسم کو گھورا۔۔۔

"آپکی جرات بھی کیسے ہوئی میرے بارے میں ایسا کہنے کی۔"

"میری جرات کی بات مت کرو۔ بلکہ میری ہمت کو داد دو۔ پورا ایک سال۔۔۔ ایک سال تم میرے گھر سے غائب رہی ہو۔ مجھے بتائے بغیر۔۔۔ میری مرضی کے بغیر گئی تھیں۔ میں تمہارے دروازے پر بندھا کوئی کتا نہیں تھا۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ کوئی غیر کہیں جائے تو ایک جگہ رہنے کی صورت میں اپنے ساتھی کو بتا کر جانا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہے۔ میں تو پھر تمہارا شوہر تھا۔ سب سے زیادہ تم پر حق ہی میرا ہے۔ تم پر تمہارے خود سے زیادہ میرا حق ہے۔"

وہ اس شخص کے اظہار کی گہرائیوں سے واقف تھی۔ پہلے نرمی و محبت کا اظہار دیکھا تھا۔ آج اُسکی شخصیت کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔ اپنی ہمت جمع کر کے بولی۔۔۔

"آپ جو مرضی کہہ لیں۔ میرے لیے تب بھی آپ سے دور ہونا ضروری تھا۔ آج بھی ضروری ہے۔ آپ کو

ایک دو دن میں خلع کا دوسرا نوٹس مل جائے گا۔اُمید کرتی ہوں۔آپ مجھے طلاق دے دیں گے۔''

''تمہیں کیوں کر خوش فہمی ہے کہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں گا۔ وؤمن وی آرڈن۔تم نے کیس عدالت میں لیجا کر میری آدھی مشکل آسان کر دی ہوئی ہے۔مجھے تو بس اپنے وکیل سے رابطہ کرنا ہے۔پھر وہ تمہارے وکیل کے سامنے میری شرائط کھول کر بیان کر دے گا۔جو اگر تمہیں منظور ہوئیں تو معاملات جلد نمٹ جائیں گے۔ویسے بھی میں بہت وقت برباد کر چکا ہوں۔اب میں اپنی زندگی کسی مخلص عورت کے ساتھ دوبارہ سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔اسکے لیے ضروری ہے کہ تم ہم لوگوں سے بہت دور چلی جاؤ۔''

رُباب کے گال سُرخ ہو گئے۔آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''کیسی شرائط؟''

''مجھے میرے بیٹے کی کسٹڈی عدالت دے ہی دے گی۔جب میں اُنکے سامنے ساری حقیقت کھول کر بیان کرونگا۔مگر مجھے تمہاری طرف سے بھی لکھا ہوا بیان چاہیے کہ تم کبھی میرے بیٹے سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کرو گی۔''

رُباب کے چہرے سے سارا خون نچڑ گیا۔اُڑے رنگ کے ساتھ وہ بے یقینی کے تحت اپنی جگہ سے اُٹھی۔

''میں مر تو سکتی ہوں۔مگر ہریرہ نہیں دے سکتی۔۔۔''

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی جو کہ بڑی زور کی تھی۔

میسم کی جھنجلائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

''کون ہے بھئی۔۔۔؟''

''بھائی صاحب کیا بیوی کے آتے ہی بہن بھائی بھول گئے؟''

بلال کی آواز پر میسم نے جھڑک دیا۔''فضول بکواس چھوڑ کر مطلب کی بات کرو۔''

''باہر ملیحہ کے سُسرال والے آئے ہیں۔خالہ آپ دونوں کو بُلا رہی ہیں۔''

''آتا ہوں۔۔۔''میسم کے کہنے پر دروازے کے دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

وہ رُباب کو اگنور کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھا۔بال ایک دفعہ پھر برش کیے۔خود پر پرفیوم چھڑکا۔

آئینے میں نظر آتے اُسکے عکس کو مخاطب کیا۔ جو بُت بنی کھڑی زمین کو گھور رہی تھی۔

"اب اگر تم میری بات سے اتفاق کرتی ہو۔ تو ہم اپنے معاملات عدالت کے باہر ہی طے کرلیں گے۔ تم آج ایگریمنٹ پر سائن کردو۔ میں اُسی وقت تمہیں طلاق دے دوُنگا۔ جب تک ایسا نہ ہو۔ تب تک مجھ سے بھلائی کی اُمید بھی مت رکھنا۔ کیونکہ اب میں پہلے والا میسم نہیں رہا ہوں۔ تم نے مجھے بدل دیا ہے۔ اس دفعہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ بلکہ سوچنا بھی مت۔ آج جس وقت تم نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ اُسی وقت میں نے گیٹ پر ایک آدمی صرف تمہاری نگرانی کے لیے بیٹھا دیا ہے۔ میرے بیٹے کو لیکر تمہیں کہیں بھی اکیلے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔"

"کیا آپ مجھے یہاں قید کر کے رکھیں گے؟"

وہ آ کر عین اُسکے سامنے رُکا۔ خوشبو کے جھونکے نے رُباب کو کُچھ پُرانی یادیں عطا کیں۔ وہ بڑے دلنشیں انداز میں مُسکراتی نظروں سے اُسکی وحشت زدہ نظروں میں دیکھتے ہوئے۔ اُسکے چہرے پر ایک پل کو جُھکا۔ عمل دو سیکنڈ کا تھا۔ پر رُباب کے حواس کسی قدر جھنجھنا اٹھے تھے۔ وہ کچھ کہہ بھی نہ پائی۔

"جانے من میں ہر وہ اقدام کرونگا۔ جو مجھے ضروری لگے گا۔ پلیز مجھے اس طرح سے مت دیکھو۔ کہیں مجھے تم پر رحم ہی نہ آ جائے۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔ رُباب کے لب ہل بھی نہ سکے۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ایک پل کو رُک کر اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور ہاں بہت بہت شُکریہ اتنا پیارا بیٹا دینے کے لیے۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح ہی جی بھر کر ہینڈسم ہے۔"

رُباب کی شکل دیکھ کر اُسکو ہنسی تو آئی مگر بڑی خوبصورتی سے چُھپا گیا۔

"ویلکم بیک۔۔۔۔" کہہ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا وہاں سے چلا گیا۔

رُباب کتنی دیر خالی دماغ کے ساتھ وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔ ایک ایک زخم تازہ ہو گیا تھا۔ تکلیف اس قدر تھی۔ سانس لینا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ کتنی دیر گُزر جانے کے بعد اُس نے نظر موڑ کر اپنی جان کو دیکھا۔ دونوں

بازوں اوپر کو موڑے مُٹھیاں بھینچے پُرسکون سویا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر اُسکو آغوش میں بھر کر کتنی دیر اُسکا منہ چومتی اور روتی رہی۔

”تم میرے ہر درد کی دوا ہو ہریرہ مجھ سے الگ مت ہونا۔“

”مجھے سب نے چھوڑ دیا۔تم مت چھوڑنا۔“

ماں کی یاد آئی تو ہچکی بندھ گئی۔باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تو شکوہ سسکی بن کر زبان سے نکلا ۔۔۔

”آپ نے اپنی رباب کو جانا ہی نہیں۔آپ نے بھی مجھے لوگوں کی نظر سے ہی دیکھا۔کیوں؟ اب آ کر دیکھیں میرا بچہ مجھ سے چھینا جا رہا ہے۔میں اسکو کسی کے حوالے نہیں کرونگی۔میں خود کو ہی ختم کر دونگی۔“

روتے ہوئے نہ جانے کتنی دیر تک خود کلامی کرتی رہتی۔ذہن ماضی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگا۔☆

وہ فائن آرٹس کی سٹوڈنٹ تھی۔اُسکو رنگوں سے ہمیشہ سے عشق تھا۔مگر پینٹنگ کی بجائے اُسکا رُحجان فوٹوگرافی کی جانب تھا۔کچھ اُسکا تعلق میدانی علاقے سے تھا۔جہاں ہر طرف ہریالی کا راج رہتا۔مون سون کا سیزن اُسکو بہت عزیز تھا۔جب بارشیں سیلاب کا باعث تو بنتی ہی تھیں۔مگر جو قدرتی نظارے دیکھنے کو ملتے وہ اپنا جواب آپ تھے۔گھر میں اُس سے چھوٹا صرف ایک بھائی ہی تھا۔جو عمر میں ایک سال ہی اُس سے چھوٹا تھا۔ اسلیے باجیوں والا رُعب ڈالنے کا موقع کبھی نہ مل سکا۔امی سے وہ لاڈ اُٹھواتی نہ تھکتی۔پر ابو کی طبیعت ایسی رُعب دار تھی۔کبھی نہ خود ہی اُنہوں نے اولاد کے ساتھ فری ہو کر بات چیت کی نہ اولاد کو ایسی اجازت دی۔وہ جب گھر سے باہر ہوتے تو دونوں بہن بھائی نے شرارتیں کر کر کے امی کی ناک میں دم کیا ہوتا تھا۔مگر جونہی ابو گھر میں قدم رکھتے ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔دونوں ہی اتنے تہذیب یافتہ نظر آتے کہ اُن کو دیکھ کر کوئی یہ یقین نہ کر پاتا یہ وہی بچے ہیں۔جو ابھی کچھ دیر قبل ایک دوسرے کو مُکے اور گھونسے نواز رہے تھے۔جوں جوں عبداللہ بڑا ہوا۔ حویلی وغیرہ میں ابو کے ساتھ آنے جانے لگا۔وہ تو ابو سے تھوڑی بہت دوستی بنا ہی گیا۔مگر یہ خوش قسمتی رُباب کے نصیب میں نہ ہوئی۔کالج کے بعد یونیورسٹی تک میں داخلے کے لیے وہ ابو تک سارے پیغام امی کے ذریعے ہی پہنچاتی۔یہاں بھی عبداللہ ابو کا اس لحاظ سے فیورٹ ہو گیا کہ اُسکو سائنس میں دلچسپی تھی۔اور سائنس ابو کا فیورٹ مضمون تھا۔بلکہ اُنکی رائے کے مطابق جس نے سائنس نہیں پڑی اُس نے اپنی زندگی تو گزار لی ہے۔مگر پڑھا

کچھ نہیں۔ رُباب کو سائنس سے خاص چڑ رہی۔ فائن آرٹس کا نام سُنتے ہی ابو نے انتہائی بُرا منہ بنایا۔ مگر امی کی ہمت جنہوں نے کسی بھی طرح سہی مگر رُباب کو اجازت دلوا ہی دی۔ وہ بڑی خوش تھی۔ مگر پھر ایک دن چچا اپنے بیٹے کا رشتہ لیکر آ گئے۔ بیٹا بھی وہ جو رُباب کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق۔ پر یہاں پر ابو کی فائن آرٹس والی چبھن نکالنے کے لیے اُس نے ماں کے پوچھنے پر چُپ چاپ ہاں میں سر ہلا دیا۔ ایسے ایک دفعہ پھر اُسکا نام ابو کی گڈ لسٹ میں آنے کے لیے انتظار والی لسٹ تک پہنچ گیا۔

پیپروں کے بعد کی چھٹیاں تھیں۔ جب اُسکی کزن جمع ہمسائی جمع ہونے والی نند کا فون آیا۔ لاہور میں یونیورسٹی کی انتظامیہ نے طالبات کو اپنے ہنر کو لوگوں میں پیش کرنے کا موقع دیتے ہوئے۔ ایک آرٹ گیلری بک کروائی تھی۔ جس میں کہ ساری یونیورسٹی کے طلبہ طالبات کو اپنا اپنا کام دیکھانے کی اجازت تھی۔ رُباب کو لگا کہ اور کیا چاہیے۔ آج تک تصویریں بنا بنا کر اُس نے اپنا سارا اسٹور بھرا ہوا تھا۔ پر کہیں ایسا پلیٹ فارم میسر نہ آیا تھا۔ جہاں وہ یہ کام دنیا کے سامنے لا پاتی۔ اُس نے امی سے بات کی۔ اُنہوں نے ''ابو کو اچھا نہیں لگے گا'' کہہ کر وہیں بات ختم کر دی۔ مگر اُس نے بھی اُنکا پلا نہیں چھوڑا۔ آخر منوا کر ہی سانس لیا۔ ابو کی جانب سے اجازت پھر بھی نہ ملی۔ مگر اُسکو یہ تسلی رہی خود ہی امی ابو کو منوا لیں گی۔ اُسکے شوق کو دیکھتے ہوئے۔ امی سے بھی اُسکو روکا نہ گیا۔ آخر اس میں بظاہر بُرائی بھی کیا تھی۔ ابو چاچو کے ساتھ اوکاڑہ گئے ہوئے تھے۔ جہاں سے وہ ہر سال اعلی نسل کی دودھ دینے والی بھینسیں خریدنے جاتے تھے۔ اُدھر سے لائی گئی اچھی بھینس ادھر لا کر بیچنے سے کافی بچت ہوتی تھی۔

اُسکو لگا یہ بھی اللہ کی جانب سے غیبی مدد ہوئی ہے۔ ابو کے جاتے ہی اُس نے اپنا سارا ساماں گاڑی میں لدوایا اور شارق کے ساتھ نارووال سے لاہور آ گئی۔

شارق سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اچھی ہیلو ہائے ہو گئی تھی۔ وہ اکثر اُسکو لانے لیجانے کی ڈیوٹی بخوشی انجام دیتا تھا۔ اسلیے اگر اُسکے دل میں شارق کی محبت پیدا نہیں ہوئی تھی تو نفرت بھی نہیں تھی۔

ساری تیاری اُس نے شارق عبداللہ اور نائلہ کے ساتھ مل کر ہی کی تھی۔ مگر نمائش والے دن ابو اور چچا کے مشترکہ دوست کی بیٹی کی شادی تھی۔ جس پر وہ لوگ ظاہر ہے خود تو شرکت نہ کر پائے تھے۔ مگر عبداللہ اور شارق کو

خاص تاکید کی تھی۔اسلیے صبح اُسکو گیلری تک چھوڑ کر دونوں شادی پر چلے گئے۔واپسی پر اُسکو ساتھ لیکر دونوں نے گھر واپس جانا تھا کیونکہ اگلے دن سحری کے وقت ابو نے پہنچ جانا تھا۔اُنکے آنے سے پہلے وہ گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔

مگر کبھی کبھی اللہ کو کُچھ اور ہی منظور ہوتا ہے۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے سبھی لوگ روانہ ہو گئے۔بار بار اُسکی نگاہیں شیشے کی دیوار کے پار اُتر رہی تھیں۔اُسکو ساری شام میں جس کا انتظار رہا تھا۔رات ڈھلنا شروع ہو گئی۔اُسکو نہ آنا تھا نہ ہی وہ آیا۔مگر ابھی تک رُباب عالم کی اُمید زندہ تھی۔ہر دو سیکنڈ بعد خود کو تسلی دیتی۔وہ آئے گا ضرور۔کہیں ٹریفک میں پھنس گیا ہو گا۔پھر اپنی سوچ کا جواب بھی خود ہی دیتی۔بھلا ایسی بھی کیا ٹریفک جو ساری شام بیت جانے کے بعد بھی نہ کُھل سکی۔آخر کار گیلری کے گارڈ نے آ کر اُسکو مخاطب کیا۔

”معذرت کے ساتھ بی بی پر مجھے یہاں تالا لگانا ہے۔ورنہ آٹو میٹک آلارم سسٹم آن ہو جائے گا۔آپ کے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔اُس کے بعد اس عمارت کو خالی کر دیں۔“

اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے گارڈ کو دیکھا۔پھر باہر کھڑکی سے باہر پھیلے گُھپ اندھیرے کو۔سانس حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہوا۔

”کاش میں نے نائلہ کی آفر قبول کر لی ہوتی۔ائے کاش میں اُس کے ساتھ ہاسٹل چلی گئی ہوتی۔“

آنکھوں میں بھر آنے والی نمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے گارڈ کا پوچھا۔۔۔۔

" کیا یہاں کوئی فون کی سروس موجود ہے؟اصل میں میرے فون کی بیٹری ختم ہونے پر فون بند ہو گیا ہے۔"

وضاحت دے دینے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا۔بھلا اس آدمی کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔پر سامنے والے کے الفاظ نے تھوڑا حوصلہ دیا۔

”بہن یہاں پر فون کدھر ہونا ہے۔باہر دوسرے بازار میں پی سی او ہیں۔پر رات کے ساڑھے گیارہ بجے تو وہ بھی بند ہو گئے ہونگے۔پھر بھی آپ پتا کر سکتی ہیں۔ہو سکتا ہے۔کوئی کُھلا ہوا ہو۔“

رُباب نے اثبات میں سر ہلایا۔میز پر رکھا اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا۔ساتھ ہی وہ تصویر جو اُس نے آج خریدی تھی

اور مرے ہوئے قدموں سے باہر کو آ گئی۔۔۔

دروازہ کھول کر باہر آتے ہی۔ پنجاب کی ٹھنڈی ہواؤں نے پُر شوق استقبال کیا۔ بے اختیار اپنی چادر کو کانوں پر اور مضبوطی سے اوڑھتے ہوئے ایک نظر اطراف پر ڈالی۔ پارکنگ بالکل خالی پڑی تھی۔ جہاں شام میں اُس نے گاڑیوں کی بھیڑ اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھی تھی۔ رات کے وقت اکیلی اپنے کمرے سے نکل کر باہر والے باتھ روم تک نہ جانے والی رُباب عالم اس وقت رات کے آخری پہر اکیلی اتنی انجانی جگہ پر موجود تھی۔ اس خیال کے آتے ہی آنسو اُمڈ اُمڈ آئے۔ چوکیدار بھی نہ جانے پچھلے راستے وہاں سے نکل گیا تھا کیونکہ گیلری کی ساری بتیاں گُل ہو گئیں پر چوکیدار باہر نہیں آیا تھا۔

گیلری کے آگے موجود پارکنگ ایریا کی چار دیواری ہوئی تھی۔ رُباب کی جرات نہ پڑی ایک قدم بھی بڑھا کر گیٹ کی جانب جانے کی۔ اسلیے وہیں سیڑھیوں کے پاس کھڑی ہو کر سامنے پڑی سُنسان تارکول کی سڑک کو گھورنے لگی۔ اب تو ایک ہی سمت میں دیکھ دیکھ کر گردن اکڑ گئی تھی۔ خشک ہونٹوں پر زبان سے تری بکھیرتے ہوئے اُس نے آنسو صاف کیئے۔ دل میں دُعائیں مانگ رہی تھی۔

”یا اللہ کوئی آ جائے۔ کسی طرح سے یا بھائی کو بھیج دیں۔ یا شارق کو۔۔۔“

☆......☆......☆

پزے کا آخری پیس چبا کر حلق سے نیچے پھینکتے ہی اُس نے کولے کا گلاس منہ کو لگایا اور ہٹایا تب جب سارا ختم ہو گیا۔ خالی گلاس میز پر رکھتے ہی وہ اپنے دوست کی ملامت کرتی نظروں کو نظرانداز کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا بھائی میں تو چلا۔۔۔ اتنے شاندار ڈنر کا شکریہ۔۔“

”تجھ جیسے بے غیرتوں کو ڈنر کرواتی ہے۔ میری جوتی۔۔ سالے مفت کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کو ہر دفعہ کیسے خوشبو سونگھتے ہوئے آ جاتے ہو۔“

”بس جانے من یہ تو تمہاری محبت ہے۔ ادھر تم مجھے غائبانہ طور پر گالیاں دیتے ہو۔ اُدھر میرے دل کی دھڑکن بے ہنگ ہو کر مجھے احساس دلواتی ہے۔ میرا دوست مجھ سے اُداس ہے۔ اُسی وقت حاضر ہو جاتا ہوں۔“

”دیکھ ڈنر تو تم نے کر لیا ہے۔ اب اگر سحرش کا نمبر نہ لیکر دیا تو میری طرف سے تم بھاڑ میں گئے۔“

"ارے بھلا یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ سحرش کا نمبر میرے فون میں فیڈ ہے۔ پر وہ کیا ہے۔ میں لڑکیوں کے اعتماد سے نہیں کھیلتا۔ تم جیسے آوارہ بد چلن کو ایک شریف لڑکی کا نمبر دینے کا سوچنا ہی دنیا کا عظیم ترین گناہ ہے۔ کجا کہ نمبر دینا۔"

فیصل منہ کھولے آنکھے پھاڑ اُسکی شکل دیکھنے لگا۔ جب تک فیصل کو یہ سمجھ آئی کہ اُسکا جگری یار اُسکو بول کر کیا گیا ہے۔ تب تک میسم صاحب اپنی موٹر سائیکل کو کک مار کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ گلی سے نکل کر سڑک پر جاتے ہوئے یونہی بلا ارادہ اُسکی نظر گیلری کے خارجی دروازے کی جانب اُٹھی پھر ٹھٹھک کر رُکی۔ سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اُسکو شُبہ سا ہوا جیسے کہ دروازے کے پاس سیڑھیوں پر کوئی موجود ہے پر اُس نے موٹر سائیکل روک کر تصدیق نہیں کی بلکہ سڑک پر آتے ہی موڑ کاٹا اور سپیڈ بڑھا کر وہاں سے نکل گیا۔ یہ تو کوئی دو بلاک آگے آنے تک ذہن کے پردے پر کھینچی گئی تصویر مزید نکھر کر سامنے آئی تو بے اختیار پاؤں کا بریک پر دباؤ ایک دم بڑھنے سے اُسکا سفر درمیان میں ہی رُک گیا۔ سڑک سے موٹر سائیکل کو کچے میں اُتارا۔۔۔ موڑ کاٹتے ہوئے واپسی کو گیا۔

سُرخ رنگ کے آنچل نے واپس مڑنے پر مجبور کیا تھا۔

گیٹ کے باہر ہی موٹر سائیکل روک کر چھوٹی چھوٹی دیوار کے اوپر سے اندر احاطے میں جھانکا۔ شک کی تصدیق ہو گئی۔ سیڑھیوں پر نسوانی وجود ہی موجود تھا۔

ماتھے پر اُلجھن کی تیوری لیے موٹر سائیکل کو سٹینڈ کرتے ہوئے نیچے اُتر کر اندر گیا۔ عین سر پر کھڑے ہو کر حیرانی سے پوچھا۔۔۔

"خاتون آپ آدھی رات کو اکیلی ادھر کیوں بیٹھی ہیں؟"

رُباب نے گھٹنوں پر سے سر اُٹھایا۔ آنسو صاف کئے۔ جب کہ وہ مزید حیران آواز میں بولا۔۔۔

"مس رُباب عالم۔۔۔؟"

وہ اگر اسکو بڑی اچھی طرح نہیں پر نام اور اُسکے کام کی حد تک ضرور جانتا تھا اور آج گیلری میں وہ اپنی یونیورسٹی کے جن طالب علموں کے کام کی نمائش دیکھنے آیا تھا۔ وہ ان میں سے ایک تھی۔ رُباب اپنی جگہ کھڑی

ہوئی۔

وہ میسم کو ذاتی طور پر بالکل نہیں جانتی تھی۔ مگر یونیورسٹی میں اُسکو کئی دفعہ دیکھ چکی تھی۔ وہ خود آرٹ پڑھ رہی تھی۔ مگر میسم بزنس ڈیپارٹمنٹ کا سٹوڈنٹ تھا۔ اُس کے اندازے کے مطابق وہ اپنی ڈگری لینے کے آخری سال میں تھا۔ جبکہ رُباب کے ابھی دو سال اور باقی تھے۔ مگر اس وقت ایک شناسا چہرہ سامنے دیکھ کر اُس کو کچھ تسلی ضرور ہوئی تھی۔

''میرے گھر سے کوئی لینے نہیں آیا ہے۔ میرے فون کی بیٹری ختم ہے۔ اور یہاں کہیں فون بوتھ بھی موجود نہیں ہے۔''

''مس رُباب یہ شورات نو بجے کا ختم ہو چکا ہے اور اس وقت پونے بارہ ہو رہے ہیں۔ اس تمام وقت میں تم یہاں سے کوئی رکشہ وغیرہ لیکر گھر کیوں نہیں گئیں؟''

''کیونکہ میرا گھر نارووال میں ہے۔ وہاں تک کبھی بھی میں اکیلی نہیں گئی ہوں۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی لینے آتا ہے۔''

میسم کو شدید حیرت ہوئی۔ کوئی اس قدر غیر ذمہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ جس قدر اس لڑکی کے گھر والے غیر ذمہ داری دیکھا گئے تھے۔

''تم ہر روز نارووال سے آتی ہو؟''

''نہیں میں ادھر ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ مگر آج کل چُھٹی پر ہوں۔ خاص آج کے شو کے لیے ایک ہفتہ پہلے آئی تھی۔ آج واپس جانا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں کوئی لینے نہیں آیا۔ کیا میں آپ کے فون سے اپنے گھر فون کر کے پتا کر سکتی ہوں؟''

میسم کو خوامخواہ کی شرمندگی نے گھیرا۔

''افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے' مس رُباب مگر اس وقت میرے پاس فون نہیں ہے۔''

رُباب کی آنکھیں بے یقینی و مایوسی سے پھیل گئیں۔

''آج کل ہر لڑکے لڑکی کے پاس فون ہوتا ہے۔ آپ کے پاس کیوں نہیں ہے۔؟'' وہ نہ جان سکی مگر اُسکی

آواز میں ہلکا سا غصہ تھا۔

"ہیلو۔۔۔ مس رُباب فرسٹ آف آل کونسے ماں باپ ہیں۔ جن کو یاد ہی نہ رہے کہ اُنکی جوان بیٹی اکیلی آدھی رات کو ایسی ویران جگہ پر تن تنہا بیٹھی اُنکا انتظار کر رہی ہے۔"

"میرے امی ابو کا قصور نہیں ہے۔ مجھے لینے آنے کی ذمہ داری میرے بھائی اور منگ۔۔۔ کزن کی تھی۔" منگیتر کہتے کہتے بیان بدل گئی۔ سامنے والے نے محسوس کیا یا نہیں بس بولا۔

"اب تم یہاں بیٹھ کر مزید انتظار کرنا چاہتی ہو۔ یا میری مدد چاہیے؟"

"آپ بھلا میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"اگر لاہور میں کوئی رشتے دار ہیں۔ تو اُنکے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر والوں سے رابطہ کر لینا۔"

"یہاں میرے کسی رشتے دار کی رہائش نہیں ہے۔ البتہ میری کزن کی خالہ گلبرگ میں ہوتی ہیں۔ پر وہاں میں ایسے نہیں جا سکتی۔ نہ جانے مجھے ایک غیر لڑکے کے ساتھ دیکھ کر وہ کیا سوچیں۔ اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو مہربانی کر کے مجھے میری کزن کے ہاسٹل تک چھوڑ دیں۔"

"میرا نہیں خیال ہاسٹل والے تمہیں اندر جانے دیں گے۔ خاص کر لڑکیوں کے ہاسٹلز کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

"دیکھئے میرے پاس اس وقت یہی ایک راہ ہے۔ آپ وہاں تک پہنچا دیں۔ آگے میری کزن کوئی نا کوئی حل نکال لے گی۔"

میسم نے کندھے اُچکائے۔۔۔ اور آنے کا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

موٹر سائیکل موڑ کر جب تک مطلوبہ سمت کی جانب کی رُباب باہر آ گئی۔ پر اُمید نظریں ابھی بھی راستے پر جمی تھیں۔

"بیٹھو بھی۔۔۔"

رُباب کس دل سے اُس لڑکے کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اُسکا اللہ خوب جانتا تھا۔ پھر بھی حفظِ ماتقدم کے طور پر اُس

نے خریدی ہوئی پینٹنگ کا فریم اپنے اور میسم کے درمیان رکھا۔ پھر خود بیٹھی۔ اپنی چادر کا پلو اچھی طرح لپیٹ کر گود میں رکھنے کے بعد سیٹ کو نیچے سے زور سے پکڑ لیا۔ آج شاید دونوں سواروں کے ستارے گردش میں تھے۔ ابھی وہاں سے ایک سڑک کراس کر کے آگے بڑھے تھے۔ جب پولیس پیٹرول نے روک لیا۔ رُباب کی تو اوپر کی سانس اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی۔ پہلے ہی چھکے چھوٹے ہوئے تھے۔ اب تو رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی۔ جو کوئی کمی رہ گئی تھی میسم کی تلاشی کے دوران اُسکی جیب سے نکلنے والی پاؤڈر کی پڑی نے پوری کر دی۔

پولیس والوں نے نہ تو میسم کی صفائیاں سُنی نہ رشوت کی آفر قبول کی کیونکہ اُس وقت دونوں کے پیسے ملا کر صرف پندرہ سو ہی ہوا۔ اُنھوں نے موٹر سائیکل اپنے قبضے میں کر کے اُن دونوں کو زبردستی پولیس وین میں بیٹھا دیا۔ رُباب گھٹی گھٹی سسکیوں کیساتھ روتے ہوئے باقاعدہ طور پر کانپ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ غُصے سے پولیس والوں کے ساتھ بحث کرنے کی کوشش میں تھی۔ مگر اب بے بسی سے فقط رونے پر ہی زور چل رہا تھا جبکہ اُس کے سامنے والی سیٹ پر میسم سر ہاتھوں میں تھامے ابھی تک بے یقین بیٹھا تھا۔ خود کو کوس بھی رہا تھا۔ کیوں میں سڑک سے آنے کی بجائے گلیوں میں سے ہوتا ہوا آ گیا۔

اب نہ تو اپنی جیب میں فون تھا۔ نہ پولیس والوں نے فون کرنے کی اجازت دی۔ بس اُن دونوں کے کوائف لے لیے تھے۔

میسم نے اپنے والد کا نمبر لکھوا دیا تھا۔

رُباب کا تو یہ سوچ کر ہی دل ڈوب رہا تھا۔ کس منہ سے ابو کا سامنا کرے گی۔ اور وہ تو یہ خبر سُن کر کہ بیٹی تھانے میں ہے۔ نہ جانے کیا کر دیں گے۔ اُس نے اپنے بھائی کا نمبر دیا تھا۔ جس کو نہ جانے اُس وقت سے کتنی دفعہ دل میں بُرا بھلا کہہ چُکی تھی۔ جو اگر وقت پر اُسے لینے آ گیا ہوتا تو یہ سب تو نہ ہوتا نا۔۔۔

"پلیز انکو بولیں میرے کانوں کے ٹاپس اور یہ پینڈنٹ بھی رکھ لیں۔ مگر مجھے جانے دیں۔"

"مس رُباب تمہارے سامنے ہے۔ میں نے ان کو منانے کے لیے کتنی منتیں نہیں کی ہیں۔ اب کیا پیر پڑ جاؤں۔ تمہارے گھر والوں کی لاپرواہی کی بھینٹ میری آج کی رات بھی چڑھ گئی ہے۔ ساتھ میں ایک لڑکی کو آدھی رات میں لیکر گھومنے کا الزام مفت میں لگ گیا ہے۔ اب بس صبر کرو۔ میرے بابا کو فون جانے کی دیر ہے۔

وہ یہاں ہونگے ۔۔۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

رُباب نے کُرلاتے دل سے پوچھا تھا۔

کیا واقعی اب کبھی سب کُچھ ٹھیک ہوگا؟ جواب فوراً سے آگیا تھا۔اب شائد کبھی بھی کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔

گاڑی صدر تھانے کے سامنے رُکی تو رُباب نے آنکھیں میچ لیں۔کئی موتی ٹوٹ کر گر گئے۔وہ جس خاندان کی عورتوں نے کبھی دن کی روشنی میں تھانے کچہریوں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔اُس گھر کی بیٹی ایک اجنبی مرد کی معیت میں آدھی رات کو تھانے لائی گئی۔

وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرموں کی طرح ایک سنگی بینچ پر اکڑ کر بیٹھی یہی دُعا کرتی رہی۔یا اللہ اس رات کا دن نہ نکلے۔مجھے رات کی سیاہی ختم ہونے سے پہلے ہی اُٹھا لیں۔ بعض اوقات انسان کی آزمائش ہوتی ہے یا سزا۔۔۔دعائیں مستجاب نہیں ہوتی ہیں۔یا شائد سنبھال کر رکھ دی جاتی ہیں۔کسی اور وقت کے لیے۔رُباب عالم کو تو آج ضرورت تھی۔اُس نے ساری رات روتے اور دُعائیں کرتے گُزاری۔۔۔۔

دن نکلنے سے پہلے ہی لیڈی کانسٹیبل نے آکر اپنی کرخت آواز میں اُسکو متوجہ کیا۔

"چلو لڑکی تمہارے گھر والے آگئے ہیں۔"

مگر رُباب کی ٹانگیں اُسکا وزن اُٹھانے سے انکاری ہوگئیں۔

"کون آیا ہوگا؟ ابو جی؟؟ یا اللہ باہر ابو نہ آئے ہوں۔یا اللہ اُنکا سامنا کروانے سے پہلے یہ سانس کھینچ لے۔میں اُنکا سامنا نہیں کرسکتی۔میں کسی کا بھی سامنا نہیں کرسکتی۔مجھے خود اپنے آپ سے بھی شرم آرہی ہے۔"

"اُٹھو بھئی باہر تمہارے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔جو دن چڑھنے تک انتظار کرتے رہیں گے۔رنگ رلیاں منانے سے پہلے کیوں نہیں سوچتی ہو۔جب یار کے ساتھ پکڑی جاتی ہو۔تب تمہیں خاندان اور بے عزتی یاد آتی ہے۔ہم روز ادھر یہی ڈرامے دیکھتے ہیں۔اب آؤ جلدی کرو۔"

وہ مزید اس عورت کا ایک لفظ نہیں سُننا چاہتی تھی۔اسلیے ہمت کر کے اُس کے پیچھے چل پڑی دوپٹے کے پلو سے چہرہ چُھپایا ہوا تھا۔ہاتھ کانپ رہے تھے۔

تھانے کا سارا احاطہ پار کرلیا۔کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔ابھی بیرونی گیٹ سے باہر ہی نکلی تھی۔جب میسم

ایک گاڑی سے نکل کر تیز تیز قدم اُٹھاتا اُسکی جانب آیا۔

''تم ٹھیک ہو؟ ایم سوری میرے یا میرے والد کے کہنے پر انہوں نے غور نہیں کیا۔ میرے ابو تو اُسی وقت ایک گھنٹے بعد آ گئے تھے۔'' وہ اُسکی آواز تو سُن رہی تھی۔ مگر کوئی بھی لفظ سمجھ نہ آ رہا تھا کیونکہ اُسکی پتھرائی ہوئی نظریں ہونڈا سوک کی کھڑکی سے نظر آتے اپنے ابو کے چہرے پر تھیں۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ کیونکہ اُسکو دیکھتے ہی ابو نے نظر دوسری جانب پھیر لی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر چاچو باہر نکلے اور اُس کے لیے پچھلا دروازہ وا کیا۔ وہ نہ جانے کیسے چلتے ہوئے وہاں تک پہنچی تھی۔ کیونکہ دماغ کی سلیٹ بالکل صاف ہو گئی تھی۔ آنکھیں بھرائی ہوئی تھیں۔ نظریں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔

لیڈی کانسٹیبل نے چاچو سے کُچھ کہتے ہوئے پیچھے گیٹ کے پاس کھڑے میسم کی جانب اشارہ کیا تھا۔ جس پر اُنہوں نے گردن موڑ کر ایک اُچٹتی سی نظر اُس پر ڈالی اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ سارا راستہ گاڑی میں گہری خاموشی کا راج رہا۔ وہ پچھلی سیٹ پر گٹھڑی بنی بیٹھی کانپ رہی تھی۔ آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا۔ بات کرے، بتائے کہ میرا قصور نہیں ہے۔ عبداللہ اور شارق کی خبر لیں۔ سارا قصور اُنکا ہے۔ مگر زبان ساتھ دیتی تب تھا۔

گاڑی گاؤں میں داخل ہی ہوئی تھی۔ جب ابو کے کہنے پر چاچو نے گاڑی روکی۔ ابو گاڑی سے نکل گئے۔ چاچو نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ساتھ ہی اُنہوں نے بیک ویو مرر سے اُسکو دیکھا۔ جس کی دوپٹے میں سے صرف آنکھیں ہی جھانک رہی تھیں۔ وہ بھی اس وقت پہچانی نہیں جا رہی تھیں۔ رو رو کر لال تو ہوئی ہی تھیں۔ پر سُوج کر گیند بھی بنی ہوئی تھیں۔ اُن کے دل کو کچھ ہوا۔ اتنی پیاری معصوم سی اُنکی بھتیجی تھی۔ بھلا وہ یہ سب کیسے کر سکتی ہے۔ پولیس والوں نے عبداللہ کے فون پر کال کر کے اطلاع دی تھی۔ اور عبداللہ اتنا حواس باختہ ہوا کہ پولیس والے کو سیدھا ابو کا نمبر دے دیا جو ابھی اوکاڑہ سے واپسی پر راستے میں ہی تھے۔

پولیس نے انکا نام وغیرہ تصدیق کرنے کے بعد کہا۔

''جناب آپکی کوئی بیٹی ہے۔ جسکا نام رُباب عالم ہو؟''

ابو جی بھر کر حیران ہوئے۔ بیٹی کو وہ گھر پر صحیح سلامت چھوڑ کر آئے تھے۔ اُسکو کیا ہو گیا جو یہ پولیس اُن سے رابطہ کر رہی ہے۔ مگر اگلی خبر سُن کر ایسا لگا۔ جیسے پورا کا پورا آسمان اُنکے سر پہ آ گرا ہو۔

"جناب آپکی بیٹی لاہور کے ایک گنجان آباد علاقے سے ایک لڑکے کے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتی ہوئی پکڑی گئی ہے۔ اُن دونوں کے پاس سے نشہ آور چیزیں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ آپ آ کر انسپکٹر صاحب سے ابھی ہی مل لیں۔ ورنہ صبح ہو گئی تو اچھی بات نہیں ہو گی۔ نام وغیرہ سے تو آپ کوئی زمیندار آدمی معلوم ہو رہے ہیں۔ رہتے بھی گاؤں میں ہیں۔ وہاں تو ایسی باتوں کو حد سے زیادہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ دن کی روشنی میں کسی نے آپ کی بیٹی کو حوالات سے نکلتے دیکھ لیا۔ خوامخواہ آپکا جینا محال ہو جائے گا ۔۔ آپ۔۔۔۔۔"

وہ اُسکو درمیان میں ٹوک کر سختی سے بولے۔ "کس تھانے میں آنا ہے؟"

"وہ جی صدر تھانے میں جناب اور کُچھ خرچہ پانی بھی لیتے آیئے گا۔ کام جلد اور آسانی سے ہو جائے گا دیکھیے نا اس وقت یہاں اخبار والے بھی سنسنی خبریں ڈھونڈتے ہوئے آتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ تصویر اور خبر لگ گئی تو ملک کے ہر چینل پر کل کو یہی بات گھوم رہی ہونی ہے۔ آپ تو سیانے آدمی ہیں۔ جانتے۔۔۔۔"

مزید سُننے کی تاب نہ لاتے ہوئے اُنہوں نے فون بند کر دیا۔ اُنکی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گود میں گرا تھا۔ تھانے پہنچ کر اُنہوں نے بھاری رقم دیکر سارے منہ بند کیئے اور اُسکو لیکر آ ئے تھے۔ اُنہوں نے تاسف بھری نظر اُسکے جھکے سر پہ ڈالی اور دُکھ سے بولے۔

"رُباب پُتر جو آج ہوا ہے۔ وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

اُسکو جیسے تھوڑا سا سہارا ملا۔۔ پھر سے رونا شروع ہو گئی۔ مگر اُسکو لگا کسی کو تو سچ بتا کر مدد مانگنی چاہیے۔ نہ جانے شارق اور عبداللہ نے گھر پر کیا کہانی سُنائی ہو۔ نہ جانے اُن لوگوں نے ابو کو کس انداز میں بتایا ہو۔ ورنہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کوئی گُناہ تو نہیں کیا ہے۔

"چاچو میری تصویروں کی نمائش تھی۔ جس کے ختم ہونے پر شام نو بجے شارق اور عبداللہ نے مجھے وہاں سے لیکر آنا تھا۔ چاچو میں نے رات کے گیارہ بجے تک وہاں اکیلے بیٹھ کر اُن دونوں کا انتظار کیا تھا۔ پر وہ نہیں آئے۔" آہستہ آہستہ اُس نے ساری حقیقت کھول کر بیان کر دی۔ چاچو تھوڑا مطمئن نظر آئے مگر جونہی گھر پہنچے سارا

اطمینان جاتا رہا۔وہاں پر چچی باقاعدہ اونچی اونچی آواز میں بین کر رہی تھیں۔رُباب کی امی نے بھی رو رو کر اپنا حشر کیا ہوا تھا۔

چچا تو جاتے ہی شارق اور عبداللہ پر ٹوٹ پڑے۔اُن کو چھڑی سے مارتے ہوئے گالیاں دیں۔اپنی بیوی کی عادت سے وہ بخوبی واقف تھے۔جس کے علم میں یہ بات آ گئی تھی۔تو اسکا مطلب تھا۔سارے خاندان کو اب تک فون ہو چکے ہوں گے۔اسی بات کا غصہ اُنہوں نے شارق اور عبداللہ پر اتارا۔

مگر چچی نے چچا کا ہاتھ درمیان میں ہی روک لیا اور آنکھوں میں چیلنج لیکر اُنکے سامنے ڈٹ گئیں۔

''اپنی بھتیجی کو مارو جو نہ جانے کس کے ساتھ منہ کالا کرتی پکڑی گئی ہے۔ہماری بھی تو بیٹیاں کالجوں میں پڑھتی ہیں۔آج تک سُنی کوئی اُنکی بات؟اس لڑکی کے ہمیشہ سے ہی سارے شوق نرالے رہے ہیں۔کبھی کیمرہ اُٹھا کر تصویروں کے بہانے گاؤں کی گلیوں میں گھوم رہی ہے کبھی برستی بارش میں کیمرہ اُٹھا کر گھر سے نکل جاتی ہے۔آج آ گیا سارا کچھ کھل کر سامنے اچھا ہوا جو میرے بیٹے کی زندگی تباہ ہونے سے پہلے ہی اسکے کرتوت کھل گئے ہیں۔''

وہ شروع ہوئیں تو نہ جانے کیا کیا بولتی چلی گئیں۔رُباب کا کل رات کا تھکا دماغ اور بھوکا پیاسا وجود مزید برداشت نہ کر سکا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آیا اور وہ وہیں ماربل کی سیڑھیوں پر ڈھیر ہو گئی۔گرنے کی وجہ سے پہلی سیڑھی کا کونا اسکے ماتھے پر لگا تھا۔جس سے خون کی دھار بہنے لگی۔

چچی نے ایک نظر دیکھا۔اور حقارت سے بولی۔

''چلو نبیلہ بہن تیاری کر رکھو کیا پتا تم نانی بننے والی ہو۔''

اُنکی اس بات پر چچا کا ہاتھ اُٹھا اور اُنکے چہرے پر نشان چھوڑ گیا مگر جس کے لیے یہ سب کہا جا رہا تھا۔وہ اس وقت ہر تکلیف سے منہ موڑ کر سیڑھیوں پر اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اُسکو بس ایک ہی بات پر غُصہ آیا تھا۔اُسکی ساری رات برباد ہو گئی۔آج کل اُسکے پیپر قریب تھے۔اسلیے راتوں کو جاگ کر وہ تیاری کر رہا تھا۔تاکہ پیپر والے دن بس سرسری سا سارا کچھ ایک دفعہ دیکھ لیا جائے اور ہر

دفعہ یہی اُسکی روٹین ہوتی تھی۔ جونہی یونی والے فارغ کرتے وہ اپنی تیاری کے لیے ٹائم ٹیبل بنالیتا۔ راتیں میوزک سُننے کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں گُزرتیں اور دن کو کھوتے گھوڑے سب کے سب بیچ کرسو رہا ہوتا۔

ابو اُسکو لینے آئے۔ ساری بات کلیئر کرنے کے بعد وہ اُسکو لیکر گاڑی تک آئے۔ تو اُس نے یہ کہہ کر اُنہیں روک دیا۔

"ابو کیا ہم تھوڑی دیر یہاں رُک کر انتظار کر سکتے ہیں۔ جب تک اُس لڑکی کے گھر سے کوئی نہیں آجاتا۔"

"تمہارے سامنے ہی تو تھانیدار سے بات ہوئی ہے۔ اُنہوں نے فون کر دیا ہوا ہے۔ وہ لوگ آجائیں گے۔ مگر مجھے کل آفس بھی جانا ہے۔ پہلے ہی اتنے لیٹ ہیں۔"

"پھر آپ گھر چلے جائیں۔ میں اپنی موٹر سائیکل پر آجاؤنگا۔ دیکھیں ناوہ میری یونیورسٹی فیلو ہے۔ ایسے چھوڑ کر جانا اچھا نہیں لگتا۔"

"ہاں میں تمہیں چھوڑ جاؤں تا کہ پھر کوئی پنگا کر دو۔ ٹھیک ہے اگر تمہارا رُکنا اتنا ہی ضروری ہے۔ تو ہم اس بچی کے گھر والوں کے آنے تک انتظار کر لیتے ہیں۔ پر اگر وہ صبح دن چڑھنے تک بھی نہ آئے تو پھر۔۔۔۔"

"پھر کیا کہہ سکتے ہیں۔ رُکنا تو ادھر ہی پڑے گا۔"

"یعنی تمہارے دماغ میں مدد کا خناس بھر چکا ہے۔ تو مجھے ریلیکس ہو جانا چاہیے۔ میرا نہیں خیال دن نکلنے سے پہلے ہم گھر جا پائینگے۔"

طلال نے اپنی سیٹ پیچھے کو سیدھی کی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر آنکھیں موندھ لیں۔ وہ نیند کے پکے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اُنکے خراٹے گونجنے لگے۔ میسم اگلے تین گھنٹے تک تھانے کے باہر ہر آنے جانے والی گاڑی کا جائزہ لیتا رہا۔

پھر ایک گاڑی آئی جس میں سے نکلنے والے فرد کو دیکھتے ہی وہ جان گیا تھا۔ یہی رُباب عالم کے لیے آئے ہیں۔ گاڑی کی فرنٹ پیسنجر سیٹ پہ موجود فرد گاڑی سے باہر ہی نہیں آیا تھا۔ صرف ڈرائیونگ سیٹ سے نکلنے والا درمیانی عمر کا مرد اندر تھانے میں گیا۔ پندرہ منٹ بعد واپس آکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تین منٹ بعد میسم نے رُباب کا چہرہ گیٹ میں اُبھرتا دیکھا تو فوراً باہر آیا۔

اُس نے بات کرنا چاہی مگر رُباب کوئی بھی ردِعمل دیکھائے بغیر آگے بڑھ گئی۔اُسکا چہرہ تو ڈھانپا ہوا تھا۔مگر وہ اُسکے قدموں کی لڑکھڑاہٹ محسوس کرسکتا تھا۔وہ جا کر گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔وہ وہاں کھڑا ہوکر دور جاتی گاڑی کی بیک لائٹ کو دیکھتا رہا۔

پھراپنی گاڑی کے ہارن بجنے پر متوجہ ہوا۔تیز تیز قدم اُٹھاتا جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''دیکھ لیا اب سکون ہوگیا۔کیا اب ہم گھر جاسکتے ہیں؟ جا کر تم نے اپنی ماں سے سروس کروانی ہے۔اور ساتھ ساتھ مجھے بھی سنواؤ گے۔''

''عجیب لڑکی ہے۔میں اسکی مدد کرنے کے چکر میں یہاں پھنس گیا اُس نے دومنٹ رُک کر بات بھی نہیں سُنی۔بھلائی کا یہ حال ہوتا ہے۔''

''چلو اُسکو چھوڑو اب اپنی اماں کی سوچو۔۔۔''

''تو کیا ہے۔آپ میرے لیے اپنی بیوی سے تھوڑی سی ڈانٹ نہیں کھاسکتے ہیں۔''

طلال احمد نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اُسکو گھورا۔۔۔

''شرم نہیں آتی۔یہ ڈرگز والا کیا چکر تھا۔جانتے ہو تم جیل بھی جاسکتے تھے۔''

''بے فکر رہیں مجھے علم تھا۔آپ مجھے یہاں چند گھنٹے نہیں رہنے دیں گے۔جیل جانا تو بہت دور کی بات ہے۔''

''ہاں پر جانتے ہو۔کبھی کبھی اچھے سے اچھا وکیل بھی آپ کے کام نہیں آتا۔اسلیے انسان کو زندگی محتاط ہوکر ہی گزارنی چاہیے۔اب بتاؤ ڈرگز کہاں سے آئے؟''

''ایک دوست کے تھے۔کل ایویں میری جیب میں رہ گئے۔آیندہ خیال کرونگا۔''

''کرنا بھی چاہیے۔اب اپنی ماں کو ساری بات میں سے ڈرگز نکال کر تفصیل بتانا ورنہ اگلی ساری عمر نشے کے طعنے سُنتے گزارو گے۔''

''میں تو کُچھ بھی بتانے کی حالت میں نہیں ہوں۔اتنا تھکا ہوا ہوں۔جاتے ہی سونا چاہتا ہوں۔البتہ آپ اُنکو سب بتاسکتے ہیں۔''

"بڑے ہی مطلبی ہو۔"

"جی بھلائی کا بھی تو زمانہ نہیں ہے۔"

اُسکا اشارہ سمجھ کر طلال احمد مُسکرانے لگے۔

دن کو وہ سو کر اُٹھا تو ساری بات بھول چکا تھا۔ وہی روٹین کے کام شروع ہو گئے۔

یہ تو ایک ہفتے بعد کی بات ہے۔ جب اُسکے کُچھ دوست اُسکی طرف آئے۔ جنکو اُس نے شاندار سا لنچ گھر پر ہی کروایا۔ کھانے کے بعد بیٹھے سب گپیں ہانک رہے تھے۔ جب ایک نے اچانک تذکرہ چھیڑا۔۔۔

"میسم تم نائلہ کو جانتے ہو۔۔؟"

"بہت ساری نائلہ نامی لڑکیوں کو جانتا ہوں۔ اب نہ جانے تم کس والی کا پوچھ رہے ہو۔"

فیصل جو بظاہر اونگھ رہا تھا۔ فٹ بولا۔

"ماشااللہ ہر نائلہ، شمائلہ، کریلا کا حدود اربع بھائی نے زبانی رٹا ہوا ہے۔"

کمرے میں قہقہے گونجے جبکہ میسم نے ایک کُشن سے رکھ کر نشانہ فیصل کے سر پر مارا۔

جواب میں وہ کراہا۔

"کمینے سر میں مارنا ضروری تھا۔ میری ساری نیند بھگا دی۔"

تیسرا تیزی سے درمیان میں چیخا۔

"یار میں یہاں ایک بڑی سنجیدہ بات کرنے لگا تھا۔ تم لوگوں نے اپنا بھنڈ خانہ شروع کر دیا۔"

"جی جی مولانا فرمایئے ضرور اُس نائلہ کا فون نمبر چاہیے ہوگا۔"

فیصل کی بات پر وہ بولا۔

"ہر کسی کو اپنے جیسا نالائق نہ سمجھا کرو۔ نمبر ہم خود براہ راست مانگ لیتے ہیں۔ تمہاری طرح گرو جی کی مدد سے نہیں۔"

فیصل کی شکل دیکھنے والی تھی۔ منہ بنا کر بولا۔

"اللہ کرے تم سب کے فون یا تو پانی میں گر جائیں یا ساری کانٹیکٹ میموری ڈیلیٹ ہو جائے۔"

"پھر کیا ہونا ہے؟ اپنے مطلوبہ نمبر ہم نے دل پر لکھے ہوئے ہیں۔"

شہباز کی بات پر ساری ٹیم ہنس ہنس لوٹ پوٹ ہوگئی۔

میسم نے شہباز کی توجہ واپس نائلہ کی جانب کروائی۔

"ہاں تو کس نائلہ کی بات کر رہے تھے۔ اور کیوں؟"

"بھائی وہ جو فوٹوگرافر رُباب عالم کی کزن ہے۔"

اب میسم کی ساری توجہ شہباز پر تھی۔

"ہاں جانتا ہوں۔ اُسکو کیا ہوا؟"

"یار وہ میری کزن کی دوست ہے۔ اور میرے کان میں تیرے اور رُباب عالم کے حوالے سے ایک بات پڑی ہے۔ اب میں نہیں جانتا کس قدر سچ ہے۔ پر جونیئرز میں یہ بات ساری پھیلی ہوئی ہے۔"

میسم کے علاوہ باقی تینوں بھی شہباز کا منہ دیکھ رہے تھے۔ فیصل سے زیادہ انتظار نہیں ہوتا تھا۔

"اوئے بھائی بک بھی دے۔ کیا سسپنس پھیلا کر بچوں کی جان لینی ہے۔"

"یار بات کرنے سے پہلے میں ایک بات صاف کردوں۔ مجھے اس ساری کہانی پر ذرا یقین نہیں ہے۔ کیونکہ رُباب عالم کو بھی دیکھا ہے۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔ اور اپنے بھائی سے کون واقف نہیں۔ پر رُباب کی کزن نے میری کزن کو یہ بتایا ہے۔ جس دن گیلری میں ہم لوگ نمائش دیکھنے گئے تھے۔ اُس رات کو یہ دونوں ڈیٹ پر تھے۔ جہاں پر پولیس نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔"

کمرے میں کتنی دیر تک تو خاموشی چھائی رہی۔ پھر سب سے پہلے فیصل نے قہقہہ مارا۔

"پیارے کیا لطیفہ سُنایا ہے۔۔۔"

دوسرا ایک بولا۔

"کیسی فضول بکواس ہے؟"

میسم کی خاموشی پر سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے کے بعد اُسکو گھور رہے تھے۔ فیصل نے پہل کی۔

"حضور آپ کیوں شکل سے گلٹی گلٹی سے نظر آ رہے ہیں۔ کیونکہ اتنا تو میں جانتا ہوں۔ اُس رات کا ڈنر تُو نے میرے ساتھ کیا تھا۔ اور جب میرے گھر سے گئے تھے۔ اُس وقت کونسا ڈیٹنگ سپاٹ کُھلا ہوتا ہے۔ جہاں تک رہی رُباب کی بات وہ تو بچاری شکل سے ہی اللہ کی بندی معلوم ہوتی ہے۔ اُس وقت اپنے گھر آرام سے سو رہی ہوگی۔ پر یہ نائلہ بڑی خراب لڑکی ہے۔ کیسی افواہیں پھیلا رہی ہے۔"

"اُس دن رُباب میرے ساتھ تھی اور ہم لوگوں کو پولیس نے پکڑا تھا۔"

اب وہ چاروں کے چاروں منہ کھولے آنکھیں پھاڑے اُسکو ایسے دیکھ رہے تھے۔ جیسے اچانک سے میسم کے سینگ نکل آئے ہوں۔

اُس نے اُنکی شکلیں دیکھیں اور آنکھیں گھماتے ہوئے بولا۔

"بہت بہت شُکر یہ بے غیر تو۔۔۔ ایسے دیکھ رہے ہو۔ جیسے میں نے قتل کا اعتراف کر لیا ہو۔ ظاہری بات ہے جو کچھ اُس واقعے کے بارے میں پھیلایا گیا ہے۔ وہ سب بُہتان ہے۔ سچ بالکل مختلف ہے۔ میں تو اتنے دنوں سے یہ بات سرے سے بھول ہی چُکا تھا۔ ابھی تم نے ذکر کیا تو یاد آئی ہے۔"

"میسم طلال حقیقت پر روشنی ڈالوں ورنہ مجھے ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔"

اُس نے فیصل کو گھورا۔

"اگر اتنی جلدی میں ہو تو پہلے تم مر ہی جاؤ۔ سچائی میں تمہاری قبر پر آ کر بتا جاؤنگا۔۔۔"

فیصل بالکل بھی بدمزا نہیں ہوا۔ میسم نے مختصر سا اُس روز کا واقعہ بتا دیا۔

"یار انتہا کہ جہالت ہے۔ دو لوگ ایک ساتھ نظر کیا آ جائیں۔ اُنکو بدنام کر دیا جاتا ہے۔ کوئی سچائی جاننے کہ کوشش نہیں کرتا۔ اگر کوئی عادی مجرم ہو۔ اُسکی تو الگ بات ہے۔ مگر جو لوگ اپنی راہ سیدھی رکھنے والے ہوں۔ اُنکے بارے میں منہ کھولنے سے پہلے بندہ کوئی خُدا کا خوف ہی کر لیتا ہے۔ یہ بات تقریباً یونی کے ہر جونیئر کو معلوم ہے۔ ایک دوسرے کو بڑھا چڑھا کر بتا رہے ہوتے ہیں۔ مجھے سچی میں رُباب کے لیے افسوس ہو رہا ہے۔ وہ بچاری تو یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی۔"

شہباز کی بات پر سب نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ وہ چاروں ہی انتہائی لائق لڑکے تھے۔ کسی

قسم کی فضول سرگرمی میں کم ہی نظر آتے۔

''اوپر سے انتہا یہ ہے۔نائلہ کے بھائی کی شادی رُباب کے ساتھ ہونا تھی۔ پر اب ان لوگوں نے منگنی توڑ دی ہے۔کیونکہ رُباب کا کردار مشکوک ہو گیا ہے۔''

میسم غصے کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھا۔

''واٹ دا ہیل مین۔۔۔!! ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا ہے۔اُس میں اُسکا کردار کہاں سے آ گیا۔ ہمارے لوگوں کو نا ذہنی طور پر بڑا ہونے کی ضرورت ہے۔ویسے تو یہ نائلہ بی بی اتنی بڑی یونیورسٹی سے تعلیم لے رہی ہے۔پر اندر سے تو نری شیطان ہے۔جس کا تعلیم بھی کچھ نہیں بگاڑ سکی۔''

''صد افسوس۔۔اور کیا کہا جائے۔'' قیصر نے اپنی رائے دی۔تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ سب میسم کے بیڈروم میں موجود تھے۔وہ اس وقت دروازے کے قریب ہی تھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔سامنے ملیحہ کھڑی تھی۔

اُس نے بہن کو دیکھ کر بھنویں اچکائے۔۔

''شہباز بھائی کی امی کا فون تھا۔ کہہ رہی تھیں۔جوتا لیکر آ رہی ہیں۔تب تک میسم کو بولو اپنے نکمے دوست کو پکڑ کر رکھے۔خبردار جو میرے آنے تک اُسکو ملنے دیا۔''

شہباز اپنے سر پہ ہاتھ مارتا بولا۔

''مروا دیا ناں۔ایک تو تم اپنے کمرے میں کلاک نہ لگانا۔ادھر آ کر بندہ ویسے ہی وقت کی رفتار بھول جاتا ہے۔امی نے کہا تھا۔پانچ بجے میں اُنکو ماموں کی طرف سے اُٹھا لوں۔کیونکہ اُنہوں نے آنکھیں دیکھانے جانا ہے۔''

شہباز اُٹھ کر جوتے پہنے کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کو بتاتا جا رہا تھا۔اینڈ پر فیصل کے کندھے پہ تھپکی ماری۔

''چل میرے ساتھ رات کو تجھے گھر ڈراپ کر آؤنگا۔''

''تم نے امی کے ساتھ جانا ہے۔میں وہاں کیا کرونگا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔وہاں کافی وقت لگتا ہے۔میں اکیلا بور ہو جاتا ہوں۔چل کمپنی رہے گی۔اُدھر

ریسپشن پہ جولڑکی بیٹھتی ہے۔ ہو بہو سحرش کی کاپی ہے۔"

فیصل اُٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی کہنا نہ بھولا۔

"سحرش صرف ایک ہے۔ اُسکے بعد اللہ نے اُس جیسی اور نہیں بنائی۔"

پیچھے سے کسی کی زبان پر کھجلی ہوئی تھی۔

"وہ ایک بھی دھرتی پر بوجھ ہے۔"

فیصل کا بازو شہباز کے ہاتھ میں تھا۔ جو اسکو گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ فیصل نے پیچھے مُڑ کر غداری کرنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔۔

"شرم کر بے غیرت وہ تیری ہونے والی بھابھی ہے۔"

اُن دونوں کے بعد دوسرے بھی کھڑے ہو گئے۔ سب کو نیچے گیٹ تک چھوڑنے کے بعد وہ لان کی کُرسی پر بیٹھ کر شہباز کی کہی باتوں پر غور کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ آیا اس موضوع کے بارے میں گھر ہر بات کی جائے یا نہیں۔ مگر ابو کی گاڑی کے ہارن نے اُسکو سوچوں سے باہر نکالا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب بھول کر اپنے کمرے میں کتابوں میں گم ہو چکا تھا۔

دوسرے دن ابھی اُٹھ کر نہانے کے ناشتہ کر تھا۔ جب دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ وہ وہاں سے اُٹھ کر اندر آیا۔ کی سٹینڈ سے اپنی موٹر سائیکل کی چابی لی۔ گاڑی پہ جانا آئیڈیل ہوتا مگر گاڑی اُسکی دو ہفتوں سے ورکشاپ پر کھڑی تھی۔ اُسکا انجن بیٹھ گیا تھا۔

"امی میں ذرا فیصل کی جانب جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ آنے میں تھوڑا لیٹ ہو جاؤں۔"

وہ کروشیے سے ملیحہ کہ بیڈ شیٹ بنا رہی تھیں۔ ہاتھ روک کر بیٹے پر نظر ڈالی۔ کالی شلوار قمیض میں اونچا لمبا سراپا سفیدی مائل رنگ سر پر بھاری بالوں کا جنگل دل ہی دل میں اُسکی نظر اُتاری۔

"ابھی کل تو وہ گیا تھا۔ اتنی جلدی اُداس ہو گئے ہو۔"

"بس ایک کام یاد آ گیا ہے۔ آپ ابو کو بتا دینا۔ او کے اللہ حافظ۔۔۔"

مزید کچھ کہنے سُننے کا موقع دیئے بغیر نکل گیا۔ گھر سے تھوڑی دور آ کر فون کر کے شہباز سے تھوڑی معلومات

لی۔فیصل کو پکا کر دیا۔گھر سے کوئی فون آئے بتا دینا میں تمہارے ساتھ ہوں۔جواب میں فیصل نے کُچھ کہنا چاہا تو اُس نے لائن کاٹ دی۔اُسکے بعد موٹر سائیکل فُل سپیڈ سے فیصل کی طرف جانے کی بجائے نارووال کو جا رہا تھا۔ بارہ بجے وہ ملک عالم حیات کی حویلی کے دروازے پر موجود تھا۔جسکے دروازے چوپٹ کُھلے ہوئے تھے۔وہ موٹر سائیکل اندر لے آیا۔ملازم اُسکو دیکھتے ہی اُسکی جانب آیا تھا۔اُس نے موٹر سائیکل اسٹینڈ کی اور نیچے اُتر آیا۔ چابی جیب میں ڈال کر بالوں میں ہاتھ مارا جو ہوا کے ساتھ اوپر کو اُٹھ کر نیا ہی ہیئر سٹائل بنا چکے تھے۔جب تک ملازم اُس کے قریب آیا۔وہ آنکھوں پر رکھے ڈارک شیڈز بھی اُتار چُکا تھا۔

"جی کس سے ملنا ہے۔"

"پہلے تو یار ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔پھر بات کرتا ہوں۔"

ملازم اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے ہٹ گیا۔گاؤں کو آنے والی سڑک کچی ہونے کی وجہ سے وہ دھول مٹی کا ذائقہ منہ میں بھی محسوس کر رہا تھا۔کُچھ آیا بھی وہ ہوا کے گھوڑے پر تھا۔کالے کپڑوں اور کالی پشاوری چپل پر بھی سفیدی پھیلی ہوئی تھی۔اُس نے لباس ہاتھ سے جھاڑا اور پیروں کو ایک ایک کر کے زور سے زمین پر مارا۔۔ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے نظر نل پر پڑی تو اُدھر کو ہی آ گیا۔

حویلی بہت بڑے رقبے پر بنی ہوئی تھی۔بہت پیچھے جانور نظر آ رہے تھے۔ایک طرف ٹریکٹر ٹرالی اور دوسری مشنری کھڑی تھی۔نل کھول کر ہاتھ منہ دھوئے۔کلی کی ہاتھ کے ساتھ تری لگا کر بالوں میں پھیرا۔۔۔

تب جا کر آنکھیں کُھلیں۔۔۔۔

ملازم ہاتھ میں ایک ٹرے اُٹھائے منظر پر آیا۔جس کو اُس نے گیٹ سے تھوڑا ہٹ کر بنے باغیچے میں گھری چھاؤں کے نیچے رکھے کُرسی سیٹ کے میز پر رکھا۔میسم بھی اُدھر کو آ گیا۔کُرسی پر بیٹھ کر اُس نے ملازم کا بڑھایا ہوا پانی کا گلاس تھام لیا۔دو چار گھونٹ میں اُس نے پانی ختم کر کے خالی گلاس میز ہر رکھا اور منتظر کھڑے ملازم سے بولا۔

"میرا نام میسم طلال ہے۔میں لاہور سے آیا ہوں۔مجھے عالم حیات صاحب سے ملنا ہے۔تم جا کر اُنہیں بتاؤ۔"

اس سے پہلے کہ ملازم وہاں سے جاتا۔۔ گیٹ سے گاڑی اندر آئی۔ ملازم بولا۔

"یہ اپنے شارق صاحب آئے ہیں۔ میں انکو بتاتا ہوں۔ آپ کو گھر تک لے جائینگے کیونکہ بڑے ملک صاحب اس وقت گھر پر ہی ہیں۔"

گاڑی سے تین چار لڑکے نکلے تھے۔ سارے کے سارے اچھے خاصے جثوں والے قد تو میسم جیسے ہی تھے۔ مگر جسم بھاری تھے۔

میسم وہیں بیٹھا رہا۔ پانی کے ساتھ ایک جگ میں ملازم دودھ لایا تھا۔ تھوڑا سا گلاس میں ڈال کر پیا تو میسم کو دودھ کے ذائقے سے بڑا مزا آیا۔ چینی کے بغیر ہونے کے باوجود دودھ میٹھا تھا۔ وہ چوکنا ہوتا تو دیکھ پاتا۔ ملازم نے جب شارق کو اُسکے بارے میں بتایا تھا۔ تو شارق کی آنکھوں میں پہلے حیرت اُبھری پھر خون اُترا۔

اُسکو کیا پتا تھا۔ یہاں ایسا استقبال ہونے والا تھا۔ اس صورت میں وہ بھی کسی تیاری کے ساتھ آتا۔ تیاری نہیں تو کم ازکم چوکنا ہی رہتا۔ وہ تو لڑکی کے باپ سے مل کر ایک دفعہ سچ بتانے کی نیت سے آیا تھا۔ مگر یہاں وہ ہوا۔ جسکا خواب وخیال میں بھی نہ سوچا تھا۔

شارق کروفر سے چلتا ہوا۔ میسم کی جانب آیا۔

جو ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر ریلیکس موڈ میں بیٹھا۔ سامنے کھیت میں مٹر چنتی عورتوں کو دیکھنے لگا۔

"تو تم ہو میسم طلال۔۔۔"

شارق کی آواز پر اُس نے چونک کر اُسکی جانب دیکھا۔ اور ٹھوڑی کے نیچے رکھا ہاتھ نکال کر جانچتی نظروں سے شارق کو دیکھتے ہوئے۔ اعتماد سے بولا۔

"جی میں ہی ہوں۔ کیا آپ عالم حیات صاحب کو بُلا سکتے ہیں۔ میں صرف اُن سے ملنے کو آیا ہوں۔"

" ظاہر ہے، داماد اپنے سُسر سے ہی ملنے آئے گا۔ ہم کونسا کہہ رہے ہیں۔ ہم سے ملنے کو آئے ہو۔"

بیہودگی سے ہنستے ہوئے شارق نے منہ کھولا تو پان کھانے والے کے کالے دانت نظر آئے۔ میسم نے آنکھیں میچتے ہوئے۔ اُسکا سرتاپیر جائزہ لیا۔ بظاہر صاف سُتھرے حلیے میں ملبوس اُس شخص کا اندر کالا تھا۔ میسم کو اُس سے پوچھنا پڑا۔

”تم کون ہو؟ عالم صاحب کے بیٹے ہو یا کوئی اور۔۔؟“

لہجے میں سے سامنے والے کے لیے عزت احترام جا چُکی تھی۔ شارق اُسکو گھورتے ہوئے بولا۔

”میں وہ ہوں جسکی منگ کے ساتھ وقت تم گُزارتے رہے ہو۔“

اُسکے الفاظ نے میسم کو آگ تو بڑی لگائی پر وہ برداشت کر گیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”خیر جو کوئی بھی ہو۔ ایک بات تم نے بتا دی ہے۔ ایک ہوتے ہیں۔ بے غیرت لوگ۔۔۔ جو اپنے گھر کی عورتوں کی تو عزت کرتے ہیں۔ پر باہر کی عورتوں کو کُتے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پر تم تو بے غیرتوں کے بھی بے غیرت نکلے جو غیر عورت تو چھوڑو اپنے گھر کی عورت کی عزت نہیں کر سکتے۔“

شارق کا ہاتھ میسم کے منہ پر تھپڑ مارنے کو اُٹھا تھا۔ جسکو میسم نے درمیان میں ہی روک کر اپنے دوسرے ہاتھ سے کھینچ کر ایک چماٹ شارق کے جبڑے پر ماری۔ اُس کے دوست اور نوکر سب دیکھ رہے تھے۔ شارق کی آنکھیں لال انگارہ ہو گئی۔ بولا تو غُصے سے اُسکی آواز پھٹی جا رہی تھی۔

”تم نے میرے ہی گھر میں کھڑے ہو کر مجھ پر ہاتھ اُٹھا کر اچھا نہیں کیا۔“

”تم اچھائی کے قابل ہی نہیں ہو۔ گھر آئے مہمان پر ہاتھ اُٹھایا کیا وہ اچھا تھا؟“

شارق نے نظر بچا کر میسم کے پیچھے کھڑے لڑکوں کو اشارہ کیا۔ اُنہوں نے میسم کو پیچھے سے گردن میں بازو ڈال کر جکڑ لیا۔ وہ تین تھے اور دوسری طرف وہ اکیلا۔

”تم میرے وہ بن بُلائے مہمان ہو۔ جسکی خدمت میں دل و جان سے کرونگا۔ اور ایسی خدمت جسے تم ساری عمر یاد رکھو گے۔“

لڑکوں کی گرفت میں اُنکو اچھا خاصہ مشکل وقت دیتے میسم کے چہرے پر شارق نے اپنے انگوٹھیوں والے ہاتھ سے لگا تار پانچ سات مُکے ناک اور ماتھے کے قریب مارے تھے۔ اُس کے ناک سے نکلنے والی خون کی دھار نے شارق کا ہاتھ بھی لال کر دیا۔

تکلیف کی شدت نے کُچھ دیر کے لیے اُسکو اندھا بہرا کر دیا تھا۔ ناک کی تکلیف تو ویسے بھی ایک دفعہ نانی یاد کروا دیتی ہے اور وہ کوئی پروفیشنل فائٹر تو نہیں تھا۔ جو ایسی صورتحال سے اس سے بہتر طریقے سے نمٹتا۔ پھر بھی

جیسے ہی حواس میں واپس آیا۔ زبان پھر بھی باز نہ آئی۔

"سالے خدمت تو ایسے کر رہے ہو۔ جیسے میں واقعی تمہارا بہنوئی لگتا ہوں۔"

اسکے آگے وہ سارے ہی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ لاتوں گھونسوں کی بارش کے دوران اُس نے اپنا سر دونوں بازوؤں کے درمیان زور سے بھینچ لیا۔ مگر پھر بھی سر پہ لگنے والی ایک چوٹ سے جلد ہی اُسکا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ اگلی دفعہ جب آنکھوں کے بھاری پپوٹے اُٹھا کر دیکھنا چاہا تو جسم کا اک ایک حصہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک آنکھ بڑی مُشکل سے کُھل رہی تھی۔ منہ میں بڑا بُرا ذائقہ گُھلا ہوا تھا۔ اُس گھڑی اُس نے خود سے اعتراف کیا۔ یوں اکیلے یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کر چُکا تھا۔ اب آگے دیکھنا تھا۔ قسمت میں کیا لکھا تھا۔

تبھی اُسکو ادراک ہوا۔ اُسکے وجود کو کُرسی پر باندھا ہوا تھا۔ تکلیف کے باوجود اُسے لبوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"سالوں نے ثابت کر دیا۔ شیر مر کر بھی شیر رہتا ہے۔"

اُسکی سرگوشی کے جواب میں نیم اندھیرے کمرے سے شارق کی کرخت آواز اُبھری تھی۔

"شیر کس کو بول رہے ہو؟"

"اُسی کو جو بندھا ہوا ہے۔ کبھی تم نے دیکھا ہے۔ کسی نے گیدڑوں کو باندھ کر رکھا ہو؟"

جواب میں ایک تھپڑ اُسکے چودہ طبق روشن کر گیا۔۔

"اب بتاؤ یہاں کسکو ملنے آئے تھے؟"

"پہلے میرے ہاتھ کھولو پھر تمہیں تمہارے انداز میں بتاتا ہوں۔"

جواب میں پھر تھپڑ پڑا۔۔۔

وہ تکلیف اور غُصے سے گالی دیتے ہوئے۔ بولا

"ایک دفعہ میرے ہاتھ کھول۔۔۔"

"پھر پوچھتا ہوں کہ کس سے ملنے آئے تھے؟"

"میں تو آتے ہی بتا چُکا ہوں۔ اب تم بتا دو۔ کیا سُننا چاہتے ہو۔"

"میں سچ سُننا چاہتا ہوں۔ اور جب تک جھوٹ بولتے رہو گے۔ میں ایسے ہی تمہیں تھپڑ پر تھپڑ مارتا رہوں گا۔"

"ہاں تمہیں مجھے مارنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے۔ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ میرے ہاتھ کھول کر اکیلے میرے ساتھ بات کرو۔"

"رباب سے ملنے آئے تھے ناں۔۔۔"

"اُسکا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ تم بس اُسکے باپ کو میرے پاس لاؤ۔"

اس دفعہ ایک کہ بجائے لگا تار تین تھپڑ اُسکا ضبط ٹھیک ٹھاک آزما گئے۔

"ہاں سالے تیری بہن رباب میری گرل فرینڈ ہے۔ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں۔ بڑے دنوں سے ملنے نہیں آئی تو میں خود آ گیا ہوں۔ اب بلاؤ اُسکو اگر مرد ہو تو۔۔۔۔۔"

جواب میں شارق بڑی خباثت سے ہنسا تھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑا فون اُسکے سامنے نچاتا ہوا۔ وہاں سے چلا گیا۔

میسم آنکھیں میچ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔۔۔۔

اب اُسکو اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ تب ہی اُسکے دماغ میں سے ایک خیال گزرا۔۔۔

"اگر میرے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ تو رُباب کے ساتھ اب تک کیا کچھ ہو چکا ہوگا؟ کہیں انہوں نے اُسکو مار ہی نہ دیا ہو ۔۔۔"

نہ جانے کیا کیا خیال اُسکے دماغ کو اور بھی منتشر کرتے رہے۔

مگر اس وقت وہ پوری طرح سے ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اب آگے دیکھنا تھا۔ کیا ہونے والا ہے۔

اُسکو پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ مگر نیم اندھیرے میں سوائے اُسکی آتی جاتی سانسوں کی آواز کے اور کچھ دیکھائی یا سُجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور اس حالت میں اُس نے یہاں نہ جانے اور کتنا وقت رہنا تھا۔ وہ اس بات سے بھی لاعلم تھا۔ آیا باہر ابھی تک دن ہی ہے۔ یا رات ہو گئی ہے۔

☆......☆......☆

اگر آج سے پہلے رنگوں کی دیوانی کو کوئی آ کر یہ کہتا۔زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے۔جب زندگی نہ آگے بڑھتی ہے۔نہ پیچھے کو سفر کرتی ہے۔ بلکہ بالکل ساکت ہو جاتی ہے۔ساکت زندگی ساکت سوچ ساکت انسان۔۔۔ کوئی یہ کہتا یہ سب ممکن ہے تو وہ ایک تقریر کر دیتی۔زندگی کبھی نہیں رُکتی۔ جیتا جاگتا انسان ساکت کیسے ہوسکتا ہے۔جبکہ وہ جاندار ہے اور جاندار کی تعریف ہی یہی ہے۔وہ بڑھتا پھولتا ہے۔اپنے اردگرد کے ماحول،موسم، رویوں پر ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔اسلیے کبھی بھی منجمد نہیں ہوتا۔حرکت میں رہتا ہے۔مگر اب وہ ہار گئی تھی۔اُسکو دُکھ یہ مار گیا۔نہ باپ نے نہ ماں نے نہ ہی بھائی نے۔کسی نے ایک دفعہ پوچھنا گوارہ نہ کیا۔آخر ہوا کیا تھا؟

دوسروں کے رویے سے آپ نہیں مرتے ہیں۔دوسروں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ آپکو اُن کے رویے خوشی دیتے ہیں یا دُکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینکتے ہیں۔جن سے آپ براہِ راست منسلک ہوں۔جو دل کے مکین ہوں۔جو آپ کے سب سے زیادہ اپنے ہوں۔جن سے آپکی ساری اُمیدیں ہوں۔منگنی ٹوٹنے کا غم نہیں ہوا تھا۔دل ٹوٹنے کے غم نے آدھموا کر دیا۔ساری توانائی چوس لی۔ایک ہی ہفتے میں اُسکا سارا رنگ وروپ کھو گیا تھا۔چچی نے فسادی ہونے کا پورا پورا حق ادا کرتے ہوئے۔سارے خاندان اور گاؤں میں رُباب کے نام کے ساتھ میسم طلال کا نام لگا کر اتنے قصے کہانیاں چھوڑیں تھیں کہ کوئی فیکشن لکھنے والا بھی یہ اسکرپٹ اتنا شاندار نہ لکھتا۔رہی سہی کسر اُنکی اکلوتی موم بتی نائلہ نے پوری کر دی تھی۔اُس نے رُباب کی ایک ایک دوست کو فون کر کے مزے لیکر سارا قصہ بالکل ہی نئے معنیٰ سے سُنایا تھا۔

امی تو مستقل بستر سے جا لگی تھیں۔عالم حیات اس سارا ہفتہ اپنے کمرے سے ہی نہ نکلے تھے۔اندر نہ جانے سارا وقت وہ کیا کرتے۔سوائے عبداللہ کے اُنکے کمرے میں اور کوئی بھی نہ جاتا۔کسی کو اجازت نہیں تھی۔عبداللہ ہی کھانے کے برتن لاتا۔لے جاتا۔

امی نے رو رو کر حد ختم کی ہوئی تھی۔مگر پھر نہ جانے اور آنسو کہاں سے آجاتے۔اوپر سے غضب یہ کہ رشتے دار اور گاؤں کی عورتیں اُنکے پاس افسوس کرنے ایسے آتی تھیں۔جیسے خدانخواستہ اُنکی بیٹی مر گئی ہو۔

جتنے منہ اُتنی باتیں۔۔۔۔ایک وہ تھی۔اپنے بیڈ پر اکڑ کر بیٹی رہتی۔سارا سارا دن ساری ساری رات۔۔ایک پل کو آنکھ نہ لگتی۔نہ بھوک رہی نہ پیاس۔۔۔ ہر اذان کے وقت اُٹھتی کمرے میں موجود اٹیچ باتھ

سے وضو کرتی اور نماز پڑھ کر پھر ویسے ہی بیٹھ جاتی۔
سارے خواب ساری خواہشیں راکھ ہو چکی تھیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ جو آگے آ رہا ہے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ ہلا دینے والا ہے۔
دروازے پر ہلکی سی دستک دیکر دروازہ وا کرنے والا عبداللہ تھا۔
اُس نے گھٹنے سے سر اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔
وہ بھی مخاطب کیئے بغیر بولا۔
''ابو تمہیں اپنے کمرے میں بُلا رہے ہیں۔''
اب کے وہ چونکی۔ سر اُٹھا کر بھائی کو دیکھا جو اپنی بات کرتے ہی واپس مُڑ گیا تھا۔
جسم میں انجانی سی طاقت دوڑ گئی۔ بلآخر خاموشی کا قُفل ٹوٹا تھا۔ آخر ابو کو اُسکا خیال آ ہی گیا تھا۔ جلدی سے پیروں میں جوتے ڈال کر باہر آئی۔
ابو کے کمرے میں قدم رکھتے ہی قدم سست پڑ گئے۔ وہاں صرف ابو اکیلے نہیں تھے۔ ضیاء چاچو ابو کے ساتھ بیڈ پر بیٹھے تھے۔ امی ایک طرف کُرسی پر بیٹھ کر اس وقت بھی آنچل سے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ عبداللہ ناراض سا ابو کے پیچھے کی جانب کھڑا تھا۔
ان سب کے علاوہ کُرسی پر ایک مولوی صاحب رجسٹر لیے بیٹھے تھے۔
اُسکو دیکھتے ہی ضیاء چاچو آگے آئے اور اُسکو بازو سے پکڑ کر اپنے اور ابو کے درمیان والی جگہ پر بیٹھا دیا۔
ابھی وہ بیٹھی ہی تھی۔ جب کمرے میں ابو کی آواز گونجی۔ ''مولوی صاحب نکاح شروع کریں۔''
اُسکے دل کی دنیا اتھل پتھل ہو گئی۔ وہ تو کچھ اور سوچ کر آئی تھی۔ یہاں کیا ہو رہا تھا۔
کیا چچا نے اپنی بیوی کو منا لیا ہے۔ کس دل سے چچی اس شادی پر راضی ہوئی ہو گی۔ اسی لیے اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ یہ بھی تو احتجاج کی ہی ایک شکل ہے۔ چلو اچھا ہے۔ شادی کر کے ایک ہی دفعہ میرے ماں باپ مجھے آگ میں پھینک دیں۔ جس نے پہلے ہی مجھے ہر طرف بدنام کر دیا ہے۔ شادی کے بعد مجھے کیوں کوئی سُکھ کا سانس لینے دے گا۔ سوچ کے گھوڑے پر سوار وہ وہاں بیٹھے بیٹھے نہ جانے کہاں سے کہاں چلی گئی۔ حقیقت

کی زمین پر تب پہنچی گئی۔ جب مولوی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر غور کیا۔

"رباب ولد عالم حیات کیا آپکو میسم ولد طلال احمد کے ساتھ اپنا نکاح حق مہر دس لاکھ سکہ رائج الوقت کے مطابق قبول ہے؟"

اُسکو لگا وہ غلط سُن رہی ہے۔ مگر ایک دو اور پھر تیسری دفعہ مولوی نے وہی الفاظ دُہرائے۔ وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر چیخی۔

"مجھے ایک ہی دفعہ گولی کیوں نہیں مار دیتے۔ اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیں۔ مگر یہ موت سے بدتر زندگی تو مجھے نہ دیں۔" چاچو نے پیار سے اُسکو تھام کر اپنے ساتھ لگایا۔

"ایسے نہیں کہتے میری بیٹی تو بڑی بہادر ہے۔ ابھی بس اس نکاح کے لیے ہاں کر دو۔ باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ابو اُسی طرح نظریں فرش پر جما کر سپاٹ چہرہ لیے بیٹھے تھے۔ امی بھی سر جُھکا کر آنسو صاف کر رہی تھیں۔

"چاچو میں مر تو جاؤنگی مگر یہ نکاح نہیں کرونگی۔"

اس دفعہ چاچو نہیں ابو بولے اور ایسا بولے کہ اُسکو ہمیشہ کے لیے چُپ کروا گئے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ نکاح نہ قبول کرو۔ مگر میں تمہیں مارنے کی بجائے خود کو ختم کر دونگا۔ پھر تم اپنی زندگی اپنے رنگ سے جی لینا۔ اور اگر تمہارے دل میں میری ذرا سی بھی عزت ہے۔ تو یہ نکاح قبول کرلو۔"

آزمائش کی گھڑی سے گُزر آئے تو ضیاء
جشنِ غم جاری ہوا" آنکھ سے آنسو آئے

اُس نے ایک نظر اُٹھا کر بھی مزید کسی کی جانب نہ دیکھا۔ مولوی نے اپنا جملہ دہرایا وہ ساتھ دیتی گئی۔ ہاں کرنے کے بعد کانپتے ہاتھوں سے مطلوبہ جگہ پر دستخط کر کے وہاں سے اُٹھ گئی۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

شارق نے اپنی طرف سے تو بڑی خطرناک گیم کھیلی تھی۔ اُس نے اپنی اور میسم کی ساری گفتگو فون میں ریکارڈ کی تھی۔ پر صرف وہ حصہ رکھا جس میں میسم یہ کہہ رہا تھا کہ وہ رُباب سے ملنے آیا ہے۔ آگے پیچھے ایڈیٹ کر کے اُس نے یہ آڈیو باپ اور تایا کے سامنے چلانے کے بعد اعتراف کیا کہ میسم کی اس بات کا مزا چکھانے

کے لیے میں نے دوستوں کے ساتھ مل کر اُسکی طبیعت صاف کی ہے۔

بعد میں ضیاء ڈیرے پر گئے۔ گودام والے کمرے میں کُرسی کے ساتھ رسیوں سے بندھے لڑکے کو دیکھ کر اُنکو شارق پر بے حساب غُصہ آیا تھا۔

اُنہوں نے ملازم سے کہہ کر فوراً ڈاکٹر کو بلوایا اور خود آگے بڑھ کر میسم کو کھول کر اپنے ساتھ لے آئے۔

جو خون نکلنے کی وجہ سے کبھی نیند میں جاتا کبھی ہوش میں آتا۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے یہ لُکن میٹی کھیل رہا تھا۔ شارق باپ کو غُصے میں دیکھ کر منظر سے ہٹ گیا تھا۔ کیونکہ ضیاء کوئی لحاظ نہ کرتے تھے۔ غُصے میں ہوتے تو نوکروں کے سامنے ہی اُسکی عزت افزائی کر دیتے۔ ابھی تو پھر اُس نے ایک بندے کو بلاوجہ تشدد کا نشانہ بنا کر کام کافی حد تک خراب کر دیا تھا۔

مگر ایک چیز کی اُسکو خوشی تھی۔ جو تھپڑ اُسکے باپ نے ماں کو سب کے درمیان میں مارا تھا۔ اُسکا بدلا وہ لے چکا تھا۔ کُچھ اُسکو میسم پر ویسے ہی غُصہ تھا۔ کُچھ بھی تھا۔ وہ رُباب کو پسند کرتا تھا اور اچانک سے رُباب کے ساتھ ہر جگہ میسم کا نام لئے جانے کی وجہ سے وہ اندر سے ہرٹ ہوا تھا۔ ساتھ ہی غُصہ بھی تھا۔ کیوں اُس دن وہ اس لڑکے کی مدد لیکر اسکے ساتھ گئی۔ وہ لوگ گوجرانوالہ سے لاہور آتے ہوئے ٹریفک میں پھنس گئے تھے۔ جو کالا شاہ کاکو سے شروع ہو کر شہدرہ تک ساری سڑکیں پوری طرح جیم تھیں۔ یہاں تک کہ وہ شیخوپورہ کے رستے لاہور کو آئے آگے پھر وہی مصیبت ملی۔ وہ لوگ شام پانچ بجے سے گاڑی میں پھنسے تھے۔ اور رات کو پونے بارہ بجے وہاں سے خلاصی ہوئی اور ساڑھے بارہ بجے وہ لوگ گیلری کے باہر تھے۔ پر وہ وہاں نہیں تھی۔ نائلہ کو فون کر کے پوچھا۔ اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

گھر پہ فون کیا تو علم ہوا وہاں بھی نہیں ہے۔ نائلہ نے تسلی دی ہو سکتا ہے۔ اپنی کسی دوست کے گھر چلی گئی ہو۔ اب ساری رات گیلری پر تو نہیں رُک سکتی تھی۔

عبداللہ اور شارق گھر چلے گئے۔۔۔

ضیاء اُسکو گودام سے نکال کر ایک کمرے میں لے آئے تھے۔ جہاں ایک طرف کمرے کی سیٹنگ ڈرائینگ روم جیسی تھی۔ دوسری طرف ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔

"آپ کون ہیں؟"

اُس نے اُنکے چہرے پر فکرمندی دیکھ کر پوچھا۔

"میں رُباب کا چچا ہوں۔"

"حیرت ہے۔آپ کے بیٹے نے آپ سے تو کچھ نہیں سیکھا۔"

"نوجوان نسل جذباتی ہوتی ہے۔عقل گھٹنوں میں لیکر گھومتے ہیں۔"

"اب آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں؟"

"فی الحال تو ڈاکٹر کا انتظار کر رہا ہوں۔تا کہ تمہاری مرہم پٹی کرواسکوں۔"

"بیٹے کے اعمال چُھپانا چاہ رہے ہیں۔"

"نہیں یار اُسکو تو میں نہیں چھوڑونگا۔"

دروازے سے باہر آوازوں نے بتادیا ڈاکٹر آگیا ہے۔

اُس نے سارے زخم صاف کیئے۔گھر سے صاف لباس منگوا کر اُنہوں نے اُسکے خون اور گرد سے اٹے کپڑے بدلوائے۔گرم دودھ میں ہلدی ملا کر اُسکو دی ساتھ میں ڈاکٹر کی دی گئی درد کی گولیاں۔

"کیا وقت ہوا ہے۔مجھے گھر جانا ہے۔"

"آج کی رات تم ادھر ہی رکو گے۔"

"جی نہیں میں کسی کے باپ کا غلام نہیں ہوں۔مجھے ابھی جانا ہے۔آپ عالم حیات صاحب سے میری ملاقات کروادیں۔اُسکے بعد میں یہاں سے نکل جاؤنگا۔"

اُنہوں نے ملازم کو بھیجا۔۔۔۔

پندرہ منٹ بعد ملک عالم حیات وہاں آئے۔پہلی نظر اُس پر پڑتے ہی چونکے۔اُسکا سارا منہ سوجا ہوا تھا۔

"میں عالم ہوں۔مجھے بتایا گیا ہے۔تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔"

"افسوس کہ اس وقت میں اُٹھ کر آپ سے ہاتھ بھی نہیں ملاسکتا۔پر یہ بات میں نے نہ جانے کتنے گھنٹے پہلے کی تھی۔بلآخر آپ تشریف لے ہی آئے۔"

”تو اُس دن وہ تمہارے ساتھ تھی؟“

”یہی بتانے کو آیا تھا۔مگر اُس سے پہلے میرا آپ سے ایک سوال ہے۔اگر آپ رات کے وقت کہیں سے گُزر رہے ہوں۔وہاں ایک خاتون اکیلی کھڑی نظر آئے کہ جہاں دن میں بھی ماس نوچنے والے گدھ منہ کھولے اپنے شکار کی تلاش میں گھومتے ہوں۔وہاں رات کے وقت کوئی عورت کھڑی ملے اور بائے چانس آپ اُس کے نام سے بھی واقف ہوں۔آپکے محلے کی لڑکی ہے۔کالج وسکول میں ساتھ پڑھتی ہے۔کیا آپ کان لپیٹ کر وہاں سے گُزر جائیں گے۔یا پھر رُک کر ماجرہ جاننے کی کوشش کریں گے؟“

عالم حیات نے کُچھ نہیں کہا۔سر جُھکا کر فرش میں نہ جانے کیا کھوجتے رہے۔اُس نے جواب کی اُمید بھی نہیں پالی تھی۔

”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔آپکی بیٹی اور میرے درمیان کوئی تعلق ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔کبھی بات چیت بھی نہیں رہی۔میں نے شناسا چہرہ ہونے کہ بنا پر اُس دن اُسکے پاس جا کر مدد کی آفر کر کے صرف اپنا اخلاقی فرض نبھایا تھا۔قصور وار وہ نہیں ہے۔جس کو آپ لوگ یوں بدنام کر کے سزا دئے رہے ہیں۔ بلکہ وہ ہیں۔جو اُس دن وقت پر اُسکو لینے نہیں پہنچے۔میں اُسکے کہنے پر اُسکو کزن کے ہاسٹل ڈراپ کرنے گیا تھا۔راستے میں پولیس والے مل گئے۔میری جیب سے دوست کو تنگ کرنے کے لیے جو ڈرگ چوری کیے تھے۔وہ ہمیں مزید مشکوک کر گئے۔اتنی سی ساری بات ہے۔“

”بچیوں کی بات جب آئے ناں صاجزادے تو اتنی سی باتیں زہر سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔کیا تم اس بات کہ گواہی دینے آئے ہو کہ میری بیٹی بے قصور ہے اور اُسکا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے؟“

”جی بالکل۔۔۔بالکل ایسا ہی ہے۔“

”کیا تم رُباب سے شادی کرو گے؟“

”اگر تم ہاں کرتے ہو۔تو میں اسی وقت اُسکا نکاح کر کے تمہارے ساتھ بھیج دونگا۔کوئی بھی جلد باز بیان دینے سے پہلے یہ جان لینا۔وہ میرا خون ہے۔میں اُسے تم سے بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔مگر میں جا کر

لوگوں کے گریبان نہیں پکڑ سکتا کہ خبردار کوئی میری بیٹی کے لیے غلط بات نہ بولے۔تم اگر غلط اور درست بات کی صفائی دینے کے لیے یہاں تک آگئے ہو۔اب بتاؤ اُسی بے قصور کو اپنا نام دینے کو تیار ہو؟''

تین افرد کمرے میں موجود تھے۔چوتھا عبداللہ دروازے کے اندر کھڑا تھا۔مگر اسکے باوجود طویل خاموشی چھائی رہی۔پھر وہ بولا۔۔۔

''اگر میں نہ کردوں تو؟''

''تو میں زبردستی ہاں کروا لونگا۔ ہر طرف اُسکا نام تمہارے ساتھ نکلا ہوا ہے۔اب شادی بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگی۔یہ تم پر ہے۔سیدھے سے ہاں کرتے ہو۔یا ٹانگوں میں گولیاں کھا کر۔۔۔''

''یو نو واٹ تم ساری کی ساری فیملی ہی جنگلی پاگل لوگ ہو۔میری تو مت ماری گئی تھی۔جو یہاں آگیا۔میری طرف سے آپ اپنی بیٹی کو رکھیں یا بھاڑ میں بھیجیں۔۔۔میں تو چلا۔۔۔''

وہ ابھی اُٹھ کر کھڑا ہی ہوا تھا۔جب عبداللہ نے اُسکی ٹانگ کے قریب فرش پر نشانہ لگا کر فائر کو دیا۔وہ ہڑبڑا کر پیچھے کو گرا تھا۔اپنی ٹانگوں کے صحیح سلامت ہونے کی تسلی کر لینے کے بعد اپنے ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔اب وہ واقعی تھک گیا تھا۔سامنے دیوار پر لگی گھڑی شام کے پانچ بجا رہی تھی اور سارا دن اُس نے کچھ کھایا پیا تک نہیں تھا۔

عالم حیات نے دوبارہ سے نہیں پوچھا۔بلکہ دروازے میں کھڑے عبداللہ کو حکم دیا۔

''جا کر مولوی کو بلاؤ۔نکاح پڑھائے۔۔۔''

اگلے آدھے گھنٹے میں نکاح ہو گیا۔پہلے میسم سے ہاں کروائی گئی۔اُس کے بعد اندر جا کر رُباب کو گھیرا گیا تھا۔وہ اگلا سارا وقت غُصے میں بھرا بیٹھا رہا۔

نکاح ہونے کے بعد اندر سے ایک خاتون آئی تھی۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں۔مگر اُنکی آنکھوں کے اندر کا نرم تاثر یہ اشارہ کرتا تھا۔وہ یقیناً رُباب کی ماں ہے۔

وہ اُسکے لیے کھانا لیکر آئی تھیں۔

جسکو اُس نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔اُنکے بڑے اصرار پر صرف چند لُقمے زہر مار کیے۔

"میں گھر جانا چاہتا ہوں۔آپ پلیز رُباب کو بھیج دیں۔"

وہ اتنا کہہ کر اُس کمرے سے نکل آیا۔جہاں لائٹ پہلے ہی ڈم تھی باہر آیا تو شام ہونے کو تیار تھی۔

موٹر سائیکل کے قریب جا کر معلوم ہوا۔نہ صرف اُسکا چین توڑ دیا ہوا تھا۔بلکہ پیٹرول بھی ضائع کیا گیا تھا۔

زیرِلب اُس نے موٹی موٹی تین چار گالیاں نکالیں اور اُسی طرح موٹر سائیکل ساتھ لیکر چلتا باہر کو بڑھ گیا۔

ضیاء حیات نے بہت کہا اُنکا ڈرائیور گاڑی پر دونوں کو چھوڑ آئے گا۔موٹر سائیکل ادھر ہی چھوڑ جاؤ ٹھیک کروا کر بھیج دینگے۔مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔

"آپ لوگ جتنا کر چکے ہیں۔وہی بہت ہے۔مزید کی گنجائش نہیں ہے۔اس وقت تو بس مہربانی کر کے اُس خاتون کو باہر لے آئیں۔۔۔"

رُباب اپنے کمرے میں تھی۔جب امی اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اُسکے کمرے میں آئیں تھیں۔

"رباب بیٹا میسم جا رہا ہے۔اور اُس کا کہنا ہے۔تم اُسکے ساتھ چلو۔میں بیگ میں تمہارے چند جوڑے زیور ڈال دیتی ہوں۔ساتھ لے جاؤ باقی میں بھیج دونگی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کیا وہ باہر انتظار کر رہا ہے؟"

"ہاں۔۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔الماری کے دراز سے اپنا پاؤچ پکڑا۔۔۔جس میں اُسکی اپنی محنت کی کمائی تھی۔

پیروں میں سٹریپ والے جوتے پہنے اور باہر نکل آئی۔

ماں پیچھے آوازیں دیتی رہ گئیں۔وہ نہیں رُکی۔کسی سے نہیں ملی۔کسی کے گلے لگ کر نہیں روئی۔

باہر گیٹ سے کُچھ ہٹ کر وہ کھڑا تھا۔وہ پہلی نظر میں اُسکو پہچان ہی نہ پائی۔چہرہ سوج کر پتا نہیں کیا بنا ہوا تھا۔یہ تو چاچو اُسکے پاس کھڑے تھے۔جس سے اُسکو اندازہ ہوا یہ وہی ہے۔

رباب کو گیٹ سے باہر دیکھ کر اُس نے ضیاء صاحب سے مصافحہ کیا۔اور چل پڑا۔۔۔وہ کُچھ بھی کہے بغیر چادر میں چہرہ چُھپائے اُسکے پیچھے پیچھے تھی۔

اتنے زیادہ جسمانی تشدد کے باوجود یہ شُکر تھا۔اُسکی ٹانگوں پر کوئی سیریس چوٹ نہیں آئی تھی۔ورنہ یوں چل

کر جانا ایک ناممکن سی بات ہوتی۔

دونوں آگے پیچھے چلتے گئے۔ اور گاؤں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے۔ گاؤں سے اگلے سٹاپ کے قریب تھے۔ جب وہ پہلی دفعہ بولی تھی۔ اُسکو اُس سٹاپ پر موجود رکشاپ کا بتا کر خود وہیں بیٹھ گئی۔

وہاں موٹر سائیکل کو بننے کے لیے دیکر اُس نے فیصل کو فون کیا۔ اگلے دو گھنٹے وہ لوگ وہیں رُکے رہے۔

کھانے کو تو کچھ بھی میسر نہیں تھا۔

وہ سٹاپ سے ہٹ کر ڈوبتے سورج کی روشنی میں بیٹھی آتی جاتی ٹریفک کو دیکھتی کبھی رونے لگ جاتی۔ کبھی چُپ کر جاتی۔

اُس نے نہیں پوچھا۔ کس بات پر رو رہی ہو۔ اپنے یوں رُخصت کئے جانے پر یا میرے ساتھ رُخصت کئے جانے پر۔ بلکہ آ کر خاموشی سے اُسکے برابر بیٹھ گیا۔

فیصل آیا تو اکیلا نہیں تھا۔ ساتھ شہباز اور طلال احمد خود موجود تھے۔

باپ کو سامنے دیکھ کر میسم نے نظر چُرانی چاہی۔ اُنہوں نے کھینچ کر ایک تھپڑ اُسکے پہلے سے نیلے پڑے گالوں پر جھڑ دیا۔

''تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ جدھر دل کرتا ہے۔ منہ اُٹھا کر تنہا چل پڑتے ہو۔ اگر آج وہ لوگ تمہیں جان سے مار دیتے تو میں اپنا بیٹا کہاں سے لاتا۔ جبکہ مجھے یہی علم نہیں تم ہو کہاں۔'' جواب میں وہ زبردستی اُنکے گلے لگ گیا۔

''مجھے معاف کر دیں۔ آج میں نے واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ مگر اب کیا کروں۔ ایک اور تھپڑ مارنا ہے۔ تو ابھی ہی مار لیں۔ یہ رُباب ہے۔ آپکی بہو۔۔۔''

طلال احمد نے بیٹے کو غور سے دیکھا۔ پھر اُسکے پیچھے کھڑی کانپتی ڈری سی اُس لڑکی کو۔ جو ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہو رہی تھی۔ فیصل اور شہباز راستے میں اُنکو ساری صورتحال سے آگاہ کر چکے تھے۔

اُن کو رُباب کی شکل میں وہاں پر ملیحہ کھڑی نظر آئی۔ دل کو کُچھ ہوا۔ آگے بڑھے اور رُباب کو سر پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اپنے ساتھ لگا کر گاڑی تک لائے۔ جسکے آنسو سسکیوں میں بدل گئے۔ جو تسلی بھرا ہاتھ اپنے باپ کی

جانب سے مانگ رہی تھی۔ وہ ہاتھ اس رحم دل انسان کی جانب سے ملا۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

رُباب کو طلال احمد نے فرنٹ پیسنجر سیٹ پر بیٹھایا۔ خود وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر گھس گئے۔ سارا راستہ فیصل اور شہباز کے چہروں سے شرارتی مُسکراہٹ نہ گئی۔ وہ دونوں کی کمینگی کو نظرانداز کرنے کی خاطر آنکھیں موند کر اپنا سر فیصل کے کندھے پر رکھ کر پڑا رہا۔

وہ اُسکو دو دو ہاتھ لینا چاہتے تھے۔ مگر رُباب اور طلال احمد کی وجہ سے خاموش بیٹھے رہے۔ لاہور آنے پر پہلے فیصل اور شہباز کو اُنکے گھروں پر ڈراپ کیا۔ پھر اپنے گھر آئے۔ ساڑھے دس بج گئے تھے۔ خدیجہ اور ملیحہ ہر بات سے لاعلم دونوں کے انتظار میں سیٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

وہ اس چیز سے بھی بے خبر تھیں۔ کہ دونوں باپ بیٹا ایک ساتھ ہی ہیں۔

باہر گیٹ کی آواز کے بعد گاڑی کے انجن کو سُن کر خدیجہ کو تسلی ہوئی۔ چلو طلال تو پہنچ گئے تھے۔ اب وہ خود ہی فون کر کے میسم کی خبر لے لیتے۔

مگر سب سے پہلے اندر داخل ہوتے میسم کی حالت دیکھ کر اُن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ٹوٹے ہوئے سپرنگ کی طرح اُچھل کر صوفے سے اُتریں۔۔۔

"تمہاری ماں مر جائے تمہیں کیا ہوا ہے۔ اسی لیے آج صبح سے میرا دل ڈوب رہا تھا۔ تم کہاں تھے؟۔۔"

میسم کے زخمی چہرے کو دونوں ہاتھوں میں نرمی سے تھام کر جائزہ لیتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میسم نے اُن کو بانہوں میں بھرا۔

"ماں ریلیکس۔۔۔!! میں ٹھیک ہوں۔"

"مگر ہوا کیا ہے؟"

اب کے وہ طلال احمد کی جانب مُڑیں۔

"آپ اسکو کہاں سے لیکر آرہے ہیں۔ آج تو اس نے کالا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ یہ ان کپڑوں میں کیسے؟"

اُن کی بات منہ میں رہ گئی۔ طلال احمد کے پیچھے سہمی' ڈری' ہوئی وہ کمزور سی لڑکی کھڑی اپنی موٹی موٹی

خوفزدہ نظروں سے اُن کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ لڑکی کون ہے۔۔؟''

طلال احمد نے آگے بڑھ کر اُنکا باز و اپنی نرم گرفت میں لیا اور خاموش تماشائی بنی ملیحہ کی جانب مُڑے۔

''ملی بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ فریش ہونے میں مدد دو۔ پھر کھانا لگواؤ۔۔۔اور میسم جاؤ تم بھی ذرا منہ ہاتھ دھو آؤ۔۔۔کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔ تب تک میں تمہاری ماں سے ایک دو ضروری باتیں کرلوں۔''

ابو امی کو ساتھ آنے کا بول کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

ملیحہ حیران پریشان کھڑی میسم کو دیکھتی کبھی رُباب کو۔۔۔

میسم نے حسبِ عادت اُسکے سر پر چپت لگائی۔

''حالت دیکھو اپنی۔۔۔ڈرونے لگ رہے ہو۔ پھر بھی آرام نہیں۔ یہ کون ہیں؟''

میسم نے اپنی ایک پوری اور ایک آدھی کُھلی آنکھ سے رُباب کو دیکھا جو ابھی تک وہیں سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔

آگے بڑھا اُسکا ٹھنڈا پڑا ہاتھ پکڑا۔۔۔وہ اُس کے کندھوں تک آرہی تھی۔

''اتنا کیوں ڈر رہی ہو۔ اپنے گھر آئی ہو۔ جسٹ ریلیکس۔۔۔''ملیحہ نے خوفزدہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔

''بھائی کہیں یہاں بھی کوئی فلم والا سین تو نہیں ہو رہا۔ کہیں یہ ہماری وہ بہن تو نہیں جو ابو کی دوسری بیوی سے ہوئی۔ جسکا انہوں نے آج تک ہم میں سے کسی کو نہیں بتایا ہوا تھا اور آج اُنکی دوسری بیوی کے مرنے پر یہ بچی اکیلی ہو گئی ہے۔ تو وہ اسکو گھر لے آئے ہیں۔''

میسم نے تالی بجائی۔۔۔

''آئی مسٹ سے تمہارے اندر کہانی بُننے کا ہنر موجود ہے۔ مگر اس قدر ڈرامہ نہیں ہے۔ یہ میری بیوی ہے۔ رُباب میسم۔۔۔''اب کہ ملیحہ کی چیخ ہی نکل گئی۔

''کیا کہہ رہے ہو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

''بس ہوتے ہیں کُچھ دن ایسے بھی جو انسان کی زندگی میں نئے باب لکھ جاتے ہیں۔آج کا دن بھی تاریخی ہے۔تمہارے بھائی کی شادی ہوئی ہے۔''

''امی کو بتاتی ہوں۔کیا اول فول بک رہے ہو۔کس نے تمہاری اس شکل سے شادی کرنی ہے۔ایسے لگ رہا ہے۔جیسے کسی نے پنچنگ بیگ سمجھ کر مارا ہے۔''

میسم سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔امی ابو کے کمرے سے امی کے اونچا اونچا بولنے کم رونے کی زیادہ آواز آ رہی تھی۔

اُس نے رُباب کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

''ملی کھانا لگواؤ ہم لوگ ابھی آئے۔''

رُباب کسی ربوٹ کی طرح اُس کے ساتھ کھینچی آ رہی تھی۔ملیحہ کو لگا آج تو پاگل ہی کرنے والے انکشاف ہو رہے ہیں۔سر ہلاتی ہوئی کچن کی جانب چلی گئی۔اوپر آ کر تیسرا کمرہ اُسکا تھا۔اُسی طرح رُباب کا ٹھنڈا یخ ہاتھ اپنے بڑے سے گرم ہاتھ میں تھامے اُسکو اندر لایا۔لائٹ آن کی رُباب کو بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتا خود اپنی الماری کی جانب بڑھ گیا۔

ٹریک سوٹ کی ڈھیلی سی پینٹ کے ساتھ ایک فُل سلیو جمپر نکالا کپڑے بیڈ پر پھینک کر کمرے میں پڑے صوفے پر بیٹھ کر جوتے اُتارتے ہوئے بولنے لگا۔

''رُباب۔۔۔یہ حادثہ ہم سب کے لیے اُتنا ہی نیا، حیرت انگیز۔۔۔اور ڈرانے والا ہے۔جتنا خوفزدہ تم اس وقت محسوس کر رہی ہو۔امی کی بھی یہی حالت ہونی ہے۔ابو اُنکو سنبھال لیں گے۔مگر پھر بھی ماں ہیں جذباتی ہو کر کوئی بات کر جائیں۔تو پلیز تم دل پر مت لینا۔نہ ہی اُنکی کسی بات کو سنجیدہ لینے کی ضرورت ہے۔ ذرا غصہ کریں گی۔پھر ٹھیک ہو جائیں گی۔''

بات کرتے کرتے وہ چونکا۔۔۔وہ کوئی ردِ عمل نہیں دیکھا رہی تھی۔یہ سمجھنا بھی مشکل تھا آیا وہ سُن بھی رہی ہے یا ویسے ہی سر جُھکا کر اپنے ہاتھ کی لکیروں کو کھوج رہی ہے۔وہ گہرا سانس کھینچتا ہوا صوفے سے اُٹھ کر اُسکے برابر آ بیٹھا۔وہ اپنی جگہ سمٹی۔

"جب ہم آخری دفعہ ملے تھے۔ کیا تم نے یہی لباس پہنا ہوا تھا۔ یا مجھے غلطی لگ رہی ہے۔"

اُس نے سر اُٹھا کر ڈبڈبائی نظروں سے اپنے بہت قریب بیٹھے اپنے بہت ہی غیر شخص کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

اتنے قریب سے آج تک اتنی خوبصورت آنکھیں دیکھی بھی کب تھیں۔ اسلیے پہلے وار پر ہی بولڈ ہونا اتنی عجیب بات بھی نہیں تھی۔ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر کو گیا۔

رُباب نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے ایک نظر کمرے پر ڈالی۔۔ گہرے اور ہلکے نیلے رنگوں سے ساری سجاوٹ کی گئی ہوئی تھی۔ دیواروں کا رنگ کریم تھا۔ بیڈ بہت ہی نیچا۔۔۔ بغیر ہیڈ بورڈ کے ایک فریم کے اوپر موٹا سا میٹریس رکھا تھا۔ جس پر بلیو اور سلور بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ نیلا ہی کمبل پائینی پر رکھا تھا۔ گہرا نیلا کارپٹ دروازے کے قریب ایک سائیڈ پر رائیٹنگ میز تھی۔ جس کے آگے ایک کُرسی رکھی تھی۔ دروازے کے عین سامنے صوفہ سیٹ تھا جس کے پیچھے دیوار میں بک شلف بنی ہوئی تھی۔ بیڈ کے آگے دوسری جانب الماری اس کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل سیٹ تھا۔

وہ خالی الذہنی حالت میں گم تھی۔ وہ واپس اندر آیا تو ہاتھ میں دو عدد زنانہ سوٹ کے ہینگر تھے۔ سکن رنگ کا کھاڈی کا سوٹ تھا۔ جس پر سُرخ ایپلک لگی ہوئی تھی۔ دوسرا کالے رنگ تھا۔

"یہ ملی سے لیکر آیا ہوں۔ پلیز تم اُٹھ کر گرم پانی سے شاور لو۔ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔"

رُباب نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر تر کی۔۔۔

"میں نے نہ کرنی چاہی تھی۔ پر ابو نے کہا وہ خود کو ختم کر لیں گے۔ مجھے معاف کر دیں۔ مگر میری جگہ اس گھر میں نہیں ہے۔"

وہ آگے بڑھا۔ ایک دفعہ پھر اُسکا بازو پکڑ کر اُٹھایا واش روم کی طرف لے گیا۔ اُسکو دروازے سے باہر کھڑا چھوڑ کر خود اندر گیا۔ سُرخ سوٹ والا ہینگر اندر لٹکایا۔ شاور آن کیا۔۔۔

الماری سے نیا صاف تولیہ نکال کر اُسکے حوالے کیا۔

"رباب پلیز ہیلپ می۔۔۔ میری حالت دیکھ رہی ہو۔ ہمیں آرام کی ضرورت ہے۔ نیچے ملیحہ کھانا لگا

رہی ہے۔امی پہلے ہی اپ سٹ ہیں۔تمہیں اس طرح دیکھ کر مزید پریشان ہونگی۔سُن رہی ہو۔تھوڑی سی ہمت پکڑو۔۔۔جلدی سے شاور لیکر نکلو۔۔۔ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔چلو شاباش۔۔۔"

وہ سر اثبات میں ہلاتی اندر بند ہوگئی۔وہ تب تک وہیں کھڑا رہا جب تک دوسری طرف سے پانی گرنے کی آواز نہ آئی۔

شُکر کا کلمہ پڑھتا ہوا۔اپنے کپڑے پکڑ کر دوسرے واش روم کا رُخ کیا۔

گرم پانی کی ٹکور سے اُسکو بڑا سکون محسوس ہوا تھا۔زخموں کی اکڑ میں کمی ہوتی محسوس ہوئی۔وہ یہ بھول گیا۔نیچے سب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ہوش تب آیا جب ملیحہ نے دروازہ بجا کر دُہائی دی۔

"امی کو فکر ہو رہی ہے۔باہر نکل آؤ۔۔۔۔"

جب وہ نیچے آیا تو سب پہلے سے ہی میز پر موجود تھے۔امی کی آنکھیں روئی ہوئی لگ رہی تھیں۔مگر یہ دیکھ کر تسلی ہوئی وہ رُباب کو پاس بیٹھا کر نرمی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ نہانے کے بعد صاف سُتھرے لباس میں نکھری ہوئی تھی۔

"مجھے تو بڑی بھوک لگی ہوئی ہے۔آپ بھی سب شروع کریں۔"

اُس نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے سرسری سا کہا۔ پھر سالن ڈال کر کھانے لگا۔سب ہی اپنی اپنی پلیٹ کی جانب متوجہ ہوگئے۔سوائے رُباب کے۔مگر امی نے پہلے کھانا نکال کر اُسکے سامنے رکھا پھر خود اپنے لیے نکالا۔۔۔

کھانے کے دوران اتنی باتیں نہیں ہوئیں۔سب نے خاموشی سے کھایا۔پیٹ بھرتے ہی میسم کی تو آنکھیں بند ہونے لگیں۔وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ماں کے گلے میں پیچھے سے باہیں ڈال کر اُنکے گال پر پیار کیا۔ساتھ ہی کان میں سرگوشی کی۔۔۔

"مجھے معاف کردیں۔۔۔آیندہ یوں اکیلا منہ اُٹھا کر اپنی سُسرال نہیں جاؤں گا اور میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔البتہ آپکی بہو ڈری ہوئی لگ رہی ہے۔باقی باتیں کل سہی ابھی بہت نیند آرہی ہے۔"

ایک دفعہ پھر اُنکے ماتھے پر پیار کرنے کے بعد کچن کے اندر چلا گیا۔ کیبنٹ میں سے دوائیوں والا باکس نکال کر تین مختلف گولیاں منہ میں رکھ کر پانی کے ساتھ نگل گیا۔اور دو مزید نکال کر باکس واپس رکھنے کے بعد باہر میز کے قریب آیا اور وہ گولیاں رُباب کے سامنے میز پر ڈال دیں۔

"یہ لے لینا۔نیند اچھی آجائے گی۔"

اُس کی بات پر خدیجہ بولیں۔"میسی اسکو نیند کی گولی بھی دے دو بیٹا۔دیکھو نا کیسے اسکی آنکھوں کے گرد کالے سیاہ ہلکے پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا آج کل یہ نیند لے رہی ہے۔"

"مجھے بھی یہی شک ہوا تھا۔اور ایک گولی نیند کی ہی دی ہے۔ملی کھانا لگانے کا شُکریہ شب بخیر۔۔۔ابو جی شب بخیر۔۔"ملیحہ نے جواب دیا۔جبکہ طلال احمد نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔خود بھی ہاتھ دھونے کو سنک کی جانب بڑھ گئے۔وہ ابھی پہلی سیڑھی پر چڑھا تھا۔جب ماں کی آواز پر رُک گیا۔

"اکیلے ہی بھاگ رہے ہو۔رُباب کو تو ساتھ لے جاؤ۔۔۔"

وہ تھما،مُڑتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو کھانا کھا رہی ہو گی۔"

"کھا چُکی ہے۔دوا بھی لے لی ہے۔"

پھر وہ شفقت سے رُباب کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔۔۔

"جاؤ بیٹی آرام کرو۔انشااللہ صبح تک بہتر محسوس کرو گی۔اور میسم تمہارے ڈیسک کی دراز میں وہ کریم پڑی ہوئی ہے۔جو ڈاکٹر نے تمہیں کُہنی پر لگانے کو دی تھی۔جب گرنے سے اندر کی جلد متاثر ہوئی تھی۔سونے سے پہلے چہرے پر لگا لینا۔ظالموں نے ذرا خیال نہیں کیا۔میرا ایک ہی ایک بیٹا ہے۔اتنی بے دردی سے مارا ہے۔کہیں کوئی سخت چوٹ لگ جاتی تو پھر۔۔۔۔"

طلال کے اشارے پر وہ رُباب کو لیکر وہاں سے کھسک گیا۔کمرے میں آتے ہی دراز سے کریم ڈھونڈ کر لگانے کی نیت سے ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر احتیاط کے ساتھ ساری لگانے لگا۔ساتھ ساتھ رُباب کا بھی جائزہ لیتا جا رہا تھا۔جو کمرے کے وسط میں کھڑی ہو کر بیڈ اور صوفے کو جانچ کر شاید کوئی فیصلہ کرنا چاہ

رہی تھی۔میسم نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

”کیاتم اپنے گھر فون کر کے بات کرنا چاہتی ہو؟“ وہ چونکی۔۔۔۔

”کونسے گھر۔۔۔؟ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔۔۔“

”میرا مطلب ہے۔اپنی امی سے تو بات کرنا چاہتی ہونگی؟“

وہ اُسی طرح بغیر کسی لچک کے بولی۔۔۔”میری کوئی ماں نہیں ہے۔میرا کوئی بھی نہیں ہے۔“

وہ جان چکا تھا۔وہ ٹوٹی ہوئی تھی۔تھکی ہوئی تھی۔رشتوں پر سے اعتبار کھو چکی ہے۔موضوع بدلتا ہوا بولا۔۔

”میری تھوڑی سی مدد کروگی؟“

اُس نے سر موڑ کر سوالیہ نظروں سے میسم کو دیکھا۔

”میری کمر پہ درد ہے۔کیاتم اُدھر یہ کریم لگا سکتی ہو؟“

رُباب نے اُسکو ایسی نظروں سے دیکھا۔جیسے میسم نے کہہ دیا ہو۔مینارِ پاکستان سے چھلانگ لگا سکتی ہو۔وہ اُسکے تاثرات دیکھ کر زیرِ لب مُسکرایا۔یہی وہ چاہتا تھا۔اُسکا دھیان بٹے اور وہ ربوٹ کی بجائے انسان جیسا ردِ عمل ظاہر کرے۔

”اگر تمہارے لیے مشکل ہے تو کوئی بات نہیں۔میں ملی یا امی کو بلاتا ہوں۔وہ لگا دیں گی۔“

”نہ۔۔۔نہیں اُنکو پھر سے کیا تکلیف دینی میں ہی لگا دیتی ہوں۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی رُباب کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا۔ میسم چلتا ہوا اُسکے قریب آیا اور کریم اُسکی جانب بڑھا دی۔

”یہاں کھڑے کھڑے لگا دوگی۔کہ یا میں لیٹ جاؤں۔۔؟“

”نہیں ایسے ہی لگا دیتی ہوں۔“

میسم نے اپنا جمپر اوپر کو اُٹھا کر سر سے کھینچ کر اُتار دیا۔اب وہ تقریباً بغیر شرٹ کے اُسکے سامنے پیٹھ کیئے کھڑا تھا۔ایک دفعہ تو رُباب کی آنکھیں شاک کی وجہ سے پوری کی پوری کھل گئیں۔اُسکے کمر اور بازوؤں پر پڑے نیل دیکھ کر اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا۔وہ اس وقت بہت زیادہ تکلیف میں تھا۔مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔کانپتے ہاتھوں سے

کریم کھولنے کے بعد ڈھیر ساری اپنی اُنگلیوں پر نکال کر دھیرے دھیرے ساری کمر پر لگانے لگی۔ اُسکے بعد بازوؤں کے اوپر حصے پر لگائی۔ آنکھوں سے سیال بہہ رہا تھا۔ یہ شخص میری وجہ سے اس تکلیف کا شکار ہوا ہے۔ یہ خیال بڑی پختگی کے ساتھ دماغ میں رقم ہوا تھا۔

اُس کے ہاتھ تھمے تو میسم نے ہلکی سی گردن موڑ کر بھنویں اچکائے۔

''کیا ساری لگ گئی؟''

اُس نے فقط سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ میسم نے ایک جھٹکے سے جمپر واپس پہنا اور دیوار کی جانب بڑھا۔

''لائٹ بند کر دوں؟''

اُس کی اُنگلیاں سوئچ بورڈ پر تھیں مگر وہ رُباب کی مرضی جان رہا تھا۔

'' ٹھہریں پہلے میں صوفے تک پہنچوں اندھیرے میں گر ہی نہ جاؤں۔''

وہ حیران ہوا۔

''صوفے پر کیوں۔۔؟''

''میں آپ کو تنگ نہیں کرنا چاہتی۔''

''یقین کرو میرا بیڈ دو کیا تین لوگوں کے لیے بھی کافی ہے۔ کئی دفعہ جب فیصل لوگ ادھر رُکتے ہیں۔ تین لوگ آسانی سے سو جاتے ہیں۔ اسلیے یہ فضول سے تکلف چھوڑو اور بیڈ پر جونسی مرضی سائیڈ لے لو۔ جلدی کرو تاکہ پھر میں لائٹ آف کروں۔''

وہ اتنے آرام و تحمل سے بیڈ کی جس مرضی سائیڈ پر لیٹنے کی آفر کر رہا تھا۔ جیسے دونوں کے درمیان نہ جانے کتنا پُرانا بے تکلف رشتہ چلا آ رہا ہو۔ رُباب کے اندر گہری بے چینی سرایت کرنے لگی۔

''میں آپکے ساتھ یوں ایک کمرے میں ایک بیڈ پر کیسے سو سکتی ہوں؟''

میسم پہلے حیران ہوا۔ پھر ہونٹوں پر مُسکراہٹ دوڑ گئی۔ سر جھٹکتا ہوا اُس کے قریب آیا۔

پہلے تھوڑا قریب آیا پھر بہت قریب۔۔۔ وہاں پر گرمی تو بالکل نہیں تھی۔ مگر رُباب کے ماتھے اور ناک کی نوک پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ وہ گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ جی چاہا دروازہ کھول کر بھاگ جائے۔ اس

شخص سے دور اس گھر سے دور پھر یک دم خیال آیا۔ یہاں سے بھاگ کر کہاں جائے گی؟۔۔۔
پچھلے سارے دروازے وہ آج اپنی طرف سے بند کر آئی تھی۔ وہ اُس کے سامنے کھڑا بڑے غور سے اُسکے ابرو کی ایک ایک جنبش دیکھ رہا تھا۔ ہونٹوں کا تھرکنا پلکوں کا لرزنا۔۔۔ بڑے نامحسوس انداز میں اُسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر اوپر اُٹھائے اور اپنے گالوں سے مس کیئے۔ دونوں طرف اپنے چہرے کے گرد رُباب کے ہاتھوں کا ہالہ بنایا۔ رُباب کو لگا جیسے بجلی کی تاروں کو چھولیا ہو۔ جُھکا ہوا سر مزید جُھک گیا۔ رُباب کے ہاتھوں کے اوپر اگر اُس کی اپنی گرفت نہ ہوتی تو وہ کب کی ہاتھ کھینچ چکی ہوتی۔
''رُباب میری طرف دیکھو۔۔۔''
اُس نے جیسے سُنا ہی نہیں اُسکا وجود کانپ رہا تھا۔ میسم کو شک ہوا جیسے وہ رو رہی ہے۔ اُسکا چہرہ ذرا سا اوپر کیا۔ شک کی تصدیق ہوگئی۔ بند آنکھوں کی باڑ سے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔ میسم کے دل کو کچھ ہوا۔ انسان کی زندگی میں بُرا وقت آجائے تو وہ کہاں سے کہاں آجاتا ہے۔ رُباب کی زندگی میں بھی ایسا بُرا وقت ہی آیا تھا۔ ورنہ وہ یہاں کبھی نہ ہوتی۔ یا پھر یہ حادثہ ہوا ہی ان دونوں کو ملانے کے لیے تھا۔ جو بھی تھا۔ اب وہ اُسکے سامنے اُسکے وجود کا حصہ بنی کھڑی تھی۔
کیسے، کیوں جیسے سوال سب عبث لگے۔ اُس نے اُسکا سر اپنے سینے سے لگا کر اُسے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ مضبوط کیا۔ نہ جانے کتنی دیر یونہی اُسکو تھامے کھڑا رہا۔ پہلے وہ ہچکیوں سے روتی رہی۔ پھر صرف آنسوؤں سے اُسکے بعد ہلکی ہلکی سسکیاں رہ گئیں۔ میسم کے لب اُسکے تازہ ترین شیمپو ہوئے بالوں میں گم تھے۔
پھر یونہی کھڑے کھڑے وہ بالکل خاموش ہوگئی۔
میسم نے حیرت کے ساتھ خود سے یہ سوال کیا۔ ''کیا یہ سوگئی ہے۔۔۔؟'' اور وہ واقعی سوگئی ہوئی تھی۔
اُسکو بیڈ پر لٹا کر کمبل اوڑھنے کے بعد لائٹ بند کر کے وہ خود بھی اپنی جگہ آکر لیٹ گیا۔ نیند کی وادی میں غافل ہونے سے پہلے اُسکے وجود کا اک ایک ریشہ اُسکی شرٹ کے سامنے حصے پر پھیلی تری پر فوکس تھا۔ وہ تری رُباب کے آنسو تھے۔ جو اس وقت اُسکے پہلو میں سکون کی نیند سو رہی تھی۔

☆......☆......☆

گزرتے دنوں میں جہاں میسم کے زخم بھرے وہیں۔ رُباب کے چہرے کی رونق واپس آئی تھی اور یہ سب خدیجہ کی محبت کا نتیجہ تھا۔ اُنکا بیٹا بھی کم نہیں تھا۔ اپنا سب کچھ اس کو سونپ چُکا تھا۔ وہ اپنے قُرب سے اُسے باقی سب بُھلانے کے مشن پر تھا۔ وہ اُسکی بات کا جواب تو دے دیتی مگر خود سے اُسے مُخاطب نہ کرتی۔ مگر ملیحہ اور خدیجہ کے ساتھ نارمل نظر آتی۔ بس میسم کو لگتا اُسی کے سامنے اپنے ان دیکھے خول میں بند ہونے کی کوشش کرتی ہے۔

آج اُسکا پہلا پیپر تھا۔ وہاں سے واپسی پر پانچوں دوستوں نے کلبِ میں کرکٹ کھیلی۔ وہیں پر ڈنر کا پروگرام بنایا۔ چاروں مل کر میسم اور رُباب کو ڈنر دینا چاہتے تھے۔ اگلے دو دن چھٹی تھی۔ اسلیے آج کا دن آئیڈیل لگا۔ کالی لونگ نیکر پر سفید سادی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ پیروں میں ٹریزز تھے۔

گاڑی سے نکل کر اُس نے ڈیکی سے اپنا سپورٹس بیگ نکال کر کندھے پر ڈالا۔۔ اندر کو بڑھ رہا تھا۔ جب کچھ یاد آنے پر واپس گاڑی کی طرف آیا۔

اگلا دروازہ کھول کر ڈیش بورڈ پر رکھا خاکی لفافہ اُٹھا کر اپنی ٹراوزر کی پچھلی جیب میں اڑسا۔

کلب میں کھیل کود کی وجہ سے اُسکے سر کے بال پسینے سے چپکے ہوئے تھے اور رنگت دھک رہی تھی۔

اندر آکر سیدھا سٹور روم میں گیا۔ کٹ اُدھر رکھی۔ پھر کچن کی جانب آیا۔

وہاں صرف ملیحہ موجود تھی۔

"اسلام علیکم۔۔۔ کیا بنا رہی ہو؟"

"وعلیکم اسلام جناب پہلے اپنی کارکردگی کا بتائیں پیپر کیسا رہا؟"

"اچھا گیا۔ بلکہ بہت اچھا گیا۔"

"ہاں جی آپ جیسے لوگ کہہ سکتے ہیں۔ جنھوں نے ہر چیز ازبر کر رکھی ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا پیپر ہیں۔ کرکٹ کھیلی جا رہی ہے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں آنا جانا ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ حال ہے۔ اور ایک ہم ہیں۔ مجال ہے جو کوئی چیز دو دن سے زیادہ یاد رہ جائے۔"

"بیٹا جی رٹے بازی کم کرو تو کچھ یاد بھی رہے۔ خیر امی کدھر ہیں؟"

"امی اپنی بڑی بیٹی کے ساتھ پڑوس میں گئی ہیں۔ ڈاکٹر شمسہ نے دونوں کو چائے پر بُلایا تھا۔"

"کب تک آئیں گی؟"

"کیوں کیا اُداس ہو گئے ہیں؟"

وہ فریج میں سے انگور نکال کر ایک ایک دانہ ہوا میں اچھالتا پھر منہ سے کیچ کرتا۔

"اُداس بھی ہوں۔ پر ایک جگہ ڈنر پہ جانا ہے۔ چھ بجے کا وقت ہے۔ اور اس وقت پانچ ہو چکے ہیں۔ اپنی سروس کا استعمال کرو۔ اور اُنکو بولو زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں گھر آجائیں۔"

"وہ تو میں بول ہی دیتی ہوں۔ پر جواب میں آپکو بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ آج اگر آپکی بیوی نے مجھے اپنے ساتھ گھسیٹا تو آپ صاف انکار کر دیں گے۔ کہ ملیحہ کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔" وہ انگور نگل کر ہنستے ہوئے بولا تو لہجے میں شرارت تھی۔

"دیکھو وہ تمہیں ساتھ لیجا کر خود کو محفوظ سمجھتی ہے۔ میں اُسکا دل نہیں توڑ سکتا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی ہوں۔ کیونکہ آج میں نے اتنے شوق سے پیزا بنایا ہے۔ اسلیے باہر جا کر کچھ الم غلم کھانے کا موڈ نہیں ہے۔ اتنا ہی ہے۔ تو امی کو ساتھ جانے پر رضا مند کر لیں۔ میرا تو پہلے ہی آپ لوگوں کی دعوتوں کے چکر میں دو کلو وزن بڑھ گیا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم ہمارے ساتھ جانا نہ چاہو تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ پھر جو رُباب کے بنائے کیک کھاتی ہو۔ مزے مزے سے ڈبل کریم ڈال کر وہ بھی آج سے بند۔"

"ہائے بھائی سچی میں کہہ رہی ہوں۔ تم لوگ اپنی بیکری کھول لو۔ دنوں میں کاروبار چمک جائے گا۔ آج میں نے اُن سے پائین ایپل کیک بنوایا ہے۔ واہ کیا مزے کا ہے۔" وہ منہ بناتے ہوئے مزے کا یاد کر رہی تھی۔ میسم واپس فریج کی جانب آیا۔ اندر جھانکا کیک نظر نہیں آیا۔۔ پیچھے سے ملیحہ کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"مجھے علم تھا۔ آپ کو بس بتانے کی دیر ہے۔ ابھی کھانے بیٹھ جائینگے۔ اسلیے وہ کیک میں نے یہاں رکھا ہی نہیں ہے۔ جائیں جا کر تیار ہوں۔ میں بھابھی کو لیکر آتی ہوں۔" وہ دونوں آگے پیچھے کچن سے باہر آئے۔ میسم ایک ایک جست میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔ ملیحہ کا رُخ گیٹ کی جانب تھا۔ وہ تیار ہو کر شیشے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ جب وہ اندر آئی۔

اُس نے گرے رنگ کی لونگ شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جس کے ساتھ گرے رنگ کا ہی چوڑی دار پاجامہ تھا۔ شرٹ کے گلے بازو اور گھیرے پر اورنج رنگ سے دھاگے کی کڑھائی ہوئی تھی۔ ساتھ میں میرون رنگ کی پائپنگ تھی۔ اسی طرح اورنج رنگ کے دوپٹے کے چاروں اور بیل بنانے کے بعد پائپنگ بھی کی گئی تھی۔ فرنچ ٹیل چوٹی میں سے نکلنے والی آوارہ لٹیں دوپٹے کے اندر سے جھانک رہی تھیں۔ پیروں میں میرون رنگ کا سادہ چمڑے کا کھسہ تھا۔

"اسلام وعلیکم میں آنٹی کے ساتھ گئی تھی۔"

وہ وہیں دروازے کے پاس پڑے ڈیسک کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔ جی جناب ملیحہ بتا چکی ہے۔ ہمیں ڈنر پہ جانا ہے۔ کیا تم تیار ہو۔۔؟"

" ہاں میں نے یہ کپڑے تھوڑی دیر پہلے ہی پہنے تھے۔ مگر ایک مسئلہ ہے۔" وہ چہرے سے ہی پریشان اور سنجیدہ لگ رہی تھی۔ میسم جیسے اُسکا مسئلہ جان گیا تھا۔ اپنے اوپر پرفیوم چھڑک کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا براؤن لفافہ تھام کر اُس کے قریب آیا۔

"تمہیں نہیں لگتا۔ اب ہم اتنے چھوٹے بچے نہیں ہیں جنہیں باہر جاتے وقت ایک عدد سیکیورٹی گارڈ ساتھ لیکر جانا پڑے۔" بولنے کے ساتھ ساتھ وہ خاکی لفافے میں سے موتیے کے گجرے نکال کر اُسکی دونوں کلائیوں میں پہنا گیا۔ پھر رُباب کی گھبراہٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے۔ اُسکے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر پھولوں کو سونگھا۔ گورے گورے ہاتھوں میں اس وقت سوائے اُن گجروں کے اور کوئی بھی آرائش کی چیز نہیں تھی۔ اور وہ اتنے سے ہی سج گئے۔ کسی اور سنگھار کی ضرورت نہ رہی۔

"تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" جب وہ بے باکی سے بولنے پر آتا تھا تو رُباب کو اپنی سانس اٹکتی محسوس ہوتی۔ یوں لگتا جیسے اردگرد آکسیجن کی کمی ہوگئی ہو۔ ابھی بھی اپنا ہاتھ چُھڑاتے ہوئے۔ فقط اُسکے اور اپنے درمیان فاصلہ پیدا کرنے کے لیے الماری کا پٹ کھول کر کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولی۔

"آپ جیسے انسان کو کم از کم مجھے بہلانے کے لیے ایسے جھوٹ کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔"

الماری کا وہ حصہ اب صرف رُباب کے لباس سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے وہ پٹ بند کر کے دوسرا کھولا۔

وہ ناسمجھی سے اُسکو دیکھتا ہوا۔ ایک دفعہ پھر اُسکے قریب آیا۔ اور الماری کے بند والے پٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر اُسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس بات کا کیا مطلب لوں؟ میں نے کیا جھوٹ کہا ہے۔؟''

''یہی جو ہر روز کہتے ہیں۔ بڑی پیاری لگ رہی ہو۔''

''ہاں تو اس میں کیا جھوٹ ہے؟''

پوچھنے کے ساتھ ہی اُس نے ہلکے سے کھینچ کر اُس کے سر پہ موجود آنچل ڈھلکایا۔۔

رُباب نہ جانے الماری میں سے کیا ڈھونڈنے کی کوشش میں تھی۔

''کوئی انسان ہر روز تو اچھا نہیں لگ سکتا۔ کسی ایک دن بائے چانس اچھا لگ جائے تو کوئی مانے بھی۔ آپ تو ہر روز یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ حالانکہ آج کام کرنے والی کہہ رہی تھی۔ باجی یہ رنگ آپ پر کھلا نہیں ہے۔ جس دن کالا رنگ پہنتی ہیں۔ اچھی لگتی ہیں۔'' میسم کی جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''فار گاڈ سیک رُباب تم پہلے اُس کام والی کو میری آنکھیں نکال کر لگاو۔ پھر اُسکو پوچھنا کہ تم کیسی لگ رہی ہو۔ جب میں کہتا ہوں۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے ہر رنگ وروپ میں اچھی لگتی ہو۔ جب تم صبح اُٹھتی ہو۔ بال سارے بکھرے ہوتے ہیں۔ آنکھیں اور زیادہ موٹی لگ رہی ہوتی ہیں۔ تمہارے چہرے کی جلد میں سے گلابی رنگ چھلک رہا ہوتا ہے۔ اُس وقت سب سے زیادہ خوبصورت لگتی ہو۔ مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تم اچھے سے ڈریس اپ ہو کر میک اپ وغیرہ کر و یا سادہ سے حلیے میں اُداس سا چہرہ بنا کر بیٹھی رہو۔ مجھے تم ہر حال میں خوبصورت ہی لگتی ہو۔''

وہ ہاتھ رو کے ساکت کھڑی اُسکو سُن رہی تھی۔

''میسم ایسا کہیں نہیں ہوتا اور کبھی بھی نہیں ہوتا۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔ تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ میں تمہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگتا ہوں۔ پر مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ فقط ایک نئے بننے والے رشتے کو قبول کرنے میں تم اتنا وقت لے رہی ہو۔ نئے شخص سے محبت کرنے کے لیے تو اور بھی زیادی عرصہ درکار ہوگا۔ میرا کیس تو بڑا آسان تھا۔ میری کسی سے کبھی کوئی

کمٹمنٹ نہیں رہی ہے۔ نہ تم سے پہلے کوئی منگیتر رہی ہے۔ میری زندگی میں آنے والی تم پہلی لڑکی ہو اور میں نے پہلے دن سے اپنے دل اور گھر کے تمام دروازے، کھڑکیاں، روشن دان سب کھول دیئے ہیں۔ اس لیے میرا ضمیر پُرسکون ہے۔ میرے اندر کوئی جنگ نہیں ہے۔"

"اگر آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں اب بھی اپنے سابقہ رشتے کو لیکر اُداس رہتی ہوں تو آپ غلط سوچتے ہیں۔ نہ کل مجھے اُس رشتے سے دلی لگاؤ تھا۔ نہ آج اس رشتے کو سمجھ پا رہی ہوں۔ وہ بھی بڑوں کا فیصلہ تھا۔ اور یہ تو جو کچھ ہوا آپ بہتر جانتے ہیں۔"

"خیر یہ ایک لمبی بحث ہے۔ اس وقت ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو چلیں؟"

"کیا آج کا ڈنر کینسل نہیں ہوسکتا ہے؟"

"کیوں۔۔؟"

"کیونکہ ملیحہ نہیں مان رہی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ آج نہیں جاسکتی۔"

"ہاں تو کونسی زبردستی ہے۔ کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو؟"

"نہیں۔۔۔"

"تو پھر۔؟"

"مجھے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"تمہارے اور میرے درمیان لوگوں کا کیا لین دین ہے اگر ہماری شادی نارمل انداز میں ہوئی ہوتی۔ کیا تب بھی تم ایسا سوچتیں۔۔؟"

اُس نے آخر کار الماری میں لٹکی ہوئی ٹائیوں میں سے میرون ٹائی نکال کر میسم کی طرف بڑھائی۔ جس نے بلیو جینز کے ساتھ سفید رنگ کی پلین کاٹن کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ پیروں میں براؤن ڈریس شوز تھے۔ اُس نے ٹائی تو تھام لی مگر نظریں سوالیہ انداز میں رُباب کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جو جواب دینے سے ڈر رہی تھی۔ کیونکہ جو وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ اگر سچ بتاتی تو وہ برداشت نہیں کرے گا۔ اسلیے وہ ٹالنے کے موڈ میں بولی۔

"ڈنر کی دعوت کس کی طرف سے ہے؟"

''قیصر، شہباز اور فیصل لوگ کی جانب سے ہے۔ چاروں نے مل کر دعوت دی ہے۔''
وہ شیشے کے سامنے ہو کر ٹائی باندھتے ہوئے بتانے لگا۔ تو رُباب کی حیران سی آواز سُنی۔
''کیا وہاں آپ کے چاروں دوست ہونگے؟''
''ظاہری بات ہے۔ یار۔۔۔''
''پلیز۔۔۔ میری جانب سے اُن لوگوں سے معذرت کر لیں ں۔ ویسے بھی ہم تینوں کے گھر والوں کی جانب سے کھانے پر بُلائے گئے ہیں۔ اُسکے بعد تو آج کی دعوت بنتی ہی نہیں ہے۔''
''یار یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ عام روٹین میں بھی کھانے کے ایسے پروگرام بناتے رہتے ہیں۔ آج بس فرق یہ ہے۔ کہ تم بھی میری گینگ میں شامل ہو رہی ہو۔ اور یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ کیونکہ آج تک ہمارے گروپ میں کبھی کوئی لڑکی انوائیٹ نہیں ہوئی ہے۔''
''اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے یہ اعزاز نہیں چاہیے؟''
ایک پل کو اُس نے رُباب کے عکس کو شیشے میں دیکھا جواب پہلے سے بچھی بیڈ کہ چادر کو ہاتھ سے ٹھیک کر رہی تھی۔ جیسے ارادتاً مصروف رہنا چاہ رہی ہو۔
''یہ بہت اگنورنٹ جواب ہے۔ پر تمہاری اپنی مرضی۔۔۔ تم نہیں جانا چاہتی ہو تو میں فون کر کے اُن لوگوں کو منع کر دیتا ہوں۔ جو کہ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ کیونکہ ڈنر نہ بھی کرنا ہو۔ ہم صرف اُنکے ساتھ ایک کپ چائے پی کر واپس آسکتے ہیں یا کہیں اور دونوں اکیلے ڈنر کر سکتے ہیں۔ آگے جو تم کہو۔۔۔''
رُباب نے ہاتھ میں پکڑا تکیہ بیڈ کے درمیان میں پٹخا۔
''میں آپ کے اس رویے سے تنگ آگئی ہوں۔ ایسا کونسا انسان ہوگا جسکو کالے چور سی چھینٹی لگا کر اُسکی شکل کا نقشہ بدل دیا جائے پھر زبردستی اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کروادی جائے۔ آن دا سپاٹ رُخصتی ہو۔ مگر اُس آدمی کو ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں۔۔۔؟ جتنا آپ میرے ساتھ اچھے انداز سے پیش آتے ہیں۔ میرا نہیں خیال جن لوگوں کی پسند سے شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنی بیویوں کے ساتھ اتنا نرمی سے پیش آتے ہوں گے۔ آپ کو غصہ کیوں نہیں آتا؟ بجائے اپنے دوستوں کے سامنے مجھے اور میری فیملی کو بُرا بھلا

کہنے کے۔آپ ایسے مزے سے دعوتیں کیش کروا رہے ہیں۔ جیسے نہ جانے کتنی صدیوں سے میرے عشق میں پاگل تھے۔" وہ ایک ہی سانس میں ساری بات ختم کر کے اب خوفزدہ نظروں سے اُسکو دیکھ رہی تھی۔ جو بڑے تحمل سے ڈریسنگ کے ساتھ ٹیک لگا کر سینے پہ ہاتھ باندھے اُسکو سُن رہا تھا۔

"جانتی ہو اس سب میں خوبصورت بات کیا ہے؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم۔۔۔ہاں انا کو چوٹ لگی۔ مان لیا، پر یہ بھی تو دیکھو اُن لوگوں نے ایک جتیا جاگتا جیون ساتھی میرے حوالے کر دیا ہے۔ یار میں انسان ہوں۔ کوئی کافر تو نہیں ہوں۔ جن حوروں کے لیے لوگ جنت کی خواہش کرتے ہیں۔ اُن میں سے ہی ایک بہترین کردار واخلاق کی مسمرائز کرنے والی شکل وصورت کی لڑکی میرے گھر میں میرے بیڈروم میں میرے سامنے میری بیوی کے روپ میں موجود ہو اور تم چاہتی ہو۔ میں اُس سے منہ موڑ کر اپنی دوا نچ کی انا کو پوجتا رہوں؟ وائے دا ہیل آن ارتھ آئی ووڈ ڈو دیٹ؟ وائے ووڈ آئی ڈو دیٹ؟ واٹ دا ہیل آن ارتھ آئی ووڈ ڈو دیٹ؟ وائے ووڈا اینی باڈی ڈو دیٹ۔۔۔؟ کوئی عقل وشعور رکھنے والا مرد ایسا نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ کسی اور جگہ سر دیے بیٹھا ہوگا۔ تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا اب ہم باہر جا سکتے ہیں؟"

وہ اپنا والٹ جیب میں ڈالتے ہوئے۔ دروازے کی طرف جاتے پوچھ رہا تھا۔ مجبوراً رُباب کو نہ چاہتے ہوئے بھی اُسکے پیچھے آنا پڑا۔ رُباب اُس تک اپنے دل کے اصل جذبات پہنچانے میں ناکام ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر وہ میسم کے ان منہ زور جذبات سے خائف ہو چلی تھی۔ دوسرا اُسکی اپنی صحت اُسکے لیے پریشانی کھڑی کر رہی تھی۔ جس کے بارے میں اُس نے ابھی تک کسی کو نہ بتایا نہ کُچھ پوچھا تھا۔

خدیجہ نے باخوشی دونوں کو رُخصت کیا۔ سارا راستہ وہ اُسکو کوئی دس دفعہ بتاتی گئی۔

"میں آپکے دوستوں کے ساتھ ڈنر نہیں کرونگی۔" وہ مُسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیتا۔ ریسٹورنٹ کے پارکنگ میں گاڑی روک کر وہ اُسکی جانب مُڑا۔۔۔

"ہم صرف اندر جائینگے۔۔۔ سلام دُعا کر کے کوئی بہانہ بنا کر واپس نکل آنا ہے۔ تم راضی ہو؟" اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ لوگ اندر آئے تو نہ صرف وہ چاروں موجود تھے۔ بلکہ اُنکی کلاس کے کُچھ اور لڑکیاں لڑکے بھی تھے۔ میز کی ڈیکوریشن خاص نیولی ویڈ کے تھیم سے کروائی ہوئی تھی۔ چاروں نے میسم کے گلے لگ کر اُسکو مبارک دی۔ باقی سب نے بھی ایسا ہی کیا۔ لڑکیوں نے رُباب کے ساتھ ہاتھ ہلا کر گریٹ کیا۔

سب سے پہلے اُن سب نے کیک منگوایا۔ جسے اُن دونوں سے کٹوایا۔ زبردست قسم کی ہوٹنگ اور شور میں اُن دونوں نے کیک کاٹا۔ میسم نے سب کا منہ میٹھا کروایا۔ لڑکیوں کی جانب سے بہت اصرار کے بعد رُباب شرماتی گھبراتی نے میسم کا منہ میٹھا کروایا۔ وہ لوگ جو سوچ کر آئے تھے۔ آگے سے ملنے والے پیار نے اُس پروگرام پر عمل نہ کرنے دیا۔ سب نے مل کر ڈنر کیا۔ اُس سے پہلے اُنہیں گفٹ دیئے گئے۔ وہ آتے وقت جتنی ناخوش تھی۔ اپنے ہم عمر لوگوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں موڈ اچھا ہو گیا تھا۔ وہ واش روم تک آئی۔ ابھی ہاتھ دھو رہی تھی۔ جب میسم کی کلاس کی دو لڑکیوں کی آواز کانوں میں پڑی۔

"یار یہ دونوں تو بڑے گُھنے نکلے۔ آرام سے تین چار سال سب کی آنکھوں سے چُھپا کر افیئر چلایا۔ اب اگر سب کو پتا چلا تب بھی اتنی خوش نصیبی ہے کہ درمیان میں کوئی ظالم سماج ہی نہیں آیا۔ رُباب عالم شکل سے ایسی لگتی تو نہیں تھی۔" رُباب اپنی جگہ پر ہل بھی نہ سکی۔ جبکہ دوسری بولی۔۔۔

"ارے معصوم شکلوں والے ہی گھنے ہوتے ہیں۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا سب سے ہینڈسم لڑکا لے اُڑی ہے۔ نہ جانے کتنے دلوں پر ظلم کیا ہے۔" دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستی ہوئیں وہاں سے چلی گئیں۔ رُباب ہاتھ دھو کر باہر نکلی۔ سامنے قد آدم آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا تو آنکھیں ڈبڈبائی ہوئیں تھیں۔ وہ خود سے مخاطب ہوئی۔

"تو اب یہ میری زندگی ٹھہری؟ سب سے ہینڈسم لڑکے کو پٹا کر شادی کرنے والی لڑکی؟ سب میری پیٹھ پیچھے مجھے ایسے ہی القابات سے نوازتے ہوں گے۔ کیا اس ساری عمر یہی سُنتے گُزرنی ہے۔ وہ جا رہی ہے۔ رُباب عالم جس کے ماں باپ نے اُسکو دھتکار دیا۔ کیونکہ وہ بدکردار تھی۔"

اُس کو لگا وہ الٹی کر دے گی۔ اس لیے واپس اندر کو بھاگی۔۔۔

واپسی کا سارا راستہ وہ بہت خاموش رہی تھی۔ میسم نے ایک دو دفعہ پوچھنا چاہا مگر وہ نقلی مسکراہٹ دیکھا

کر اُسکو ٹال گئی اور ایسا اگلے کئی دن تک ہوتا رہا۔ پہلے وہ اسکی باتوں کا جواب تو دیتی تھی۔ اب وہ بھی بند کر دیا۔
خدیجہ نے طلال کے ساتھ مشورہ کر کے رُباب کو وہاں بھیج دیا۔ میسم سے چھپانا اسلیے ضروری ہو گیا۔ کیونکہ اگر اُسکے علم میں آ جاتا رُباب ماں بن رہی ہے اور کراچی میں رہتی ہے۔ تو وہ شام سے پہلے جا کر اُسکو لے آتا۔ جبکہ وہ آنا چاہتی ہی نہیں تھی۔ یہ رشتہ بھی قائم رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

خدیجہ بیٹے کے چہرے پر آج اتنے عرصے بعد پُر سکون مُسکراہٹ دیکھ کر اندر تک شانت ہو گئی تھیں۔ ملیحہ کی ساس سے رُباب کو ملوانے کے لیے اُسکو لینے آئیں۔ مگر اندر آتے ہی رُباب کی حالت نے اُنکو دہلا دیا۔ ہریرہ کو گود میں لیے رو رو کر آنکھیں سُجائی ہوئیں تھیں۔

"رابی میری جان یہ کیا؟"

اُس سے بولا کچھ نہیں گیا۔ بس آنسو ایک دفعہ پھر پوری سپیڈ سے بہنے لگے۔

خدیجہ نے سب سے پہلے تو دروازہ لاک کیا۔ پھر اُسکی گود سے ہریرہ کو اُٹھا کر بیڈ پر ڈالا۔

اپنے دوپٹے کے پلو سے رُباب کا چہرہ صاف کیا۔ اور پانی کا گلاس بھر کر اُسکے لبوں سے لگایا۔

اُس نے بمشکل دو گھونٹ ہی بھرے اور گلاس پرے ہٹا دیا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"وہ کہتے ہیں۔ وہ ہریرہ کو میرے ساتھ نہیں رہنے دیں گے۔"

خدیجہ کو خاک سمجھ نہ آیا۔ مگر وہ ایک دفعہ پھر ہچکیاں بھر رہی تھی۔

"کیا مطلب ساتھ نہیں رہنے دے گا۔ وہ بھی اسی گھر میں ہے۔ تم بھی ادھر ہو۔ ہریرہ بھی ادھر ہے۔"

"وہ کہتے ہیں۔ وہ مجھے طلاق صرف تب دیں گے۔ جب میں ہریرہ کو ہمیشہ کی لیے اُنکے حوالے کر دونگی۔ آنٹی بھلا میں کیسے جیوں گی؟"

خدیجہ نے اسکو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تم دونوں ہی پاگل ہو۔ آتے ہی لڑائی اور شرطیں رکھنی شروع کر دی ہیں۔ جب تک تو میں زندہ ہوں۔

تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہریرہ کو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اُس بندر سے تو میں ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔ اتنے عرصے بعد میری بیٹی گھر آئی ہے۔ اور آتے ہی اُسکو رُلا رہا ہے۔ تم ہُریرہ کے ساتھ ہی سو جاؤ۔۔۔ ملیحہ کے سُسرال والے ڈنر کر کے ہی جائیں گے۔ آج منگنی کی ڈیٹ لینے آئے ہیں اور تمہارا اُنکے درمیان ہونا بڑا ضروری ہے۔"

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ملیحہ بھی کہتی ہوگی۔ کیسی بہن ہے۔ میرا خوشی کا موقع ہے۔ اور یہ اندر بیٹھی رو رہی ہے۔ آپ مجھے صرف پانچ منٹ دیں۔ میں فریش ہو جاؤں۔ اس حالت میں تو میں بہت ہی بُری نظر آ رہی ہوں۔" خدیجہ خوشی سے مُسکراتے ہوئے۔ اُسکی پیشانی چوم کر ایک دفعہ پھر اسکو ہر فکر سے آزاد رہنے کا بول کر وہاں سے نکل گئیں۔

پورے پانچ منٹ بعد وہ ہریرہ کو گود میں اُٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو چہرے پر تازہ ہلکی ہلکی بیس لگا کر لائینر اور لپ گلوس سے کُچھ دیر پہلے والی ابتر حالت چُھپا چُکی تھی۔ بالوں کو برش کر کے دو چار بل دینے کے بعد پونی ڈالی ہوئی تھی۔ لباس بھی بدل کر جامنی ڈیزائن والا کُرتا ساتھ میں کچے پیلے رنگ کا ٹراوزر تھا۔ دونوں رنگوں کے امتزاج کا دوپٹہ سلیقے سے سر پر لیا ہوا تھا۔ ایک بیٹے کو جنم دینے کے باوجود اُسکی جسامت سے لگتا نہیں تھا۔ ایک بچے کی ماں ہے۔ بلکہ چہرے پر مزید شادابی آ گئی تھی۔

ہریرہ کو وہ جان بوجھ کر نیند سے جگا کر ساتھ لائی تھی۔ کیونکہ اُسکی شخصیت میں ایک مقناطیسی اثر یہ تھا۔ وہ جہاں ہوتا تھا لوگوں کا دھیان سارا اُسی کی جانب رہتا اور اس وقت رُباب کو یہی چاہیے تھا۔

"اسلام وعلیکم۔۔۔ میں معذرت چاہتی ہوں۔ اصل میں ہریرہ نے مجھے اپنی خدمت میں مصروف کر رکھا تھا۔"

ملیحہ کی ساس سُسر اور نند سے سلام لینے کے بعد بڑے اعتماد سے آ کر ڈبل صوفے پر بیٹھے میسم کے برابر میں بیٹھ گئی۔ میسم نے براہِ راست نظر نہیں ڈالی مگر دھیان سارا اُسی کی جانب تھا۔ پہلو میں آ کر بیٹھی تو لگا دل اسی جانب دھڑکنے لگا ہے۔ اپنی حالت پر وہ اندر ہی اندر وہ خوفزدہ ہوا تھا کیونکہ اس دفعہ وہ اپنے دل کی بجائے دماغ کی صدا پر لبیک کہنا چاہتا تھا۔ ملیحہ کی ساس نے ہریرہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اُسکی بیٹی نے ہریرہ کو رُباب کی گود

سے لیکر اپنی ماں کو دیا۔

"آپ دونوں ماں بیٹے کے بارے میں بڑا سُنا تھا۔ ملنے کی بھی شدید خواہش تھی۔ خدیجہ بہن نے بتایا تھا۔ ہریرہ کی نانی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسلیے آپ دونوں وہیں رُکے ہوئے ہیں۔ اب تمہاری امی کی طبیعت کیسی ہے؟"

اُسکی حیران نظریں عقیدت سے خدیجہ آنٹی کی جانب اُٹھیں۔ جنہوں نے آج عملی طور پر ثابت کر دیا تھا۔ اُنکے لیے ملیحہ اور رُباب میں کوئی فرق نہیں تھا۔ گلے میں اُبھرنے والے گولے کو نگلتے ہوئے اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی وہ اب بہت بہتر ہیں۔"

"اللہ انکو زندگی تندرستی دی۔ خدیجہ بہن مجھے تو آپکے بیٹے کی جوڑی بڑی پسند آئی ہے۔ ماشا اللہ دونوں ایک ساتھ بیٹھے اتنے پیارے لگ رہے ہیں۔ اللہ نے اولاد سے بھی نوازا ہے۔ ان لوگوں کی نظر اُتارتی رہا کریں۔"

خدیجہ بیگم نے فخر سے اپنے بہو بیٹے کی دل ہی دل میں نظر اُتارتے ہوئے وہ تعریف وصول کی تھی۔

رُباب کو وہ لوگ بڑے اچھے لگے۔ پُر خلوص سے نرم خو۔۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ لُبنیٰ وغیرہ کی خبر لینے کو کمرے سے نکل کر کچن کی جانب آئی تا کہ کھانے کے انتظامات کا بھی پوچھ سکے۔ خدیجہ آنٹی نے اُسکی اتنی عزت رکھی تھی۔ تو اُسکا بھی فرض بنتا تھا۔ اپنے حوالے سے اُنکی خواہشات پوری کرتی۔

لُبنیٰ بلال اور ملیحہ بھی وہیں تھے۔ پہلے تو اُنکے ہاتھوں اُسکی خوب شامت آئی۔

"آ گئی ہو؟ خود تو آتے ہی میاں سے دوستی کر لی۔ اور ہمارا کیا ؟ جو فرنٹ لیڈ پر تمہارے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولتے رہے۔ اپنے بھائی کے مقابلے میں تمہارا ساتھ دیا۔ اب تمہارا شوہر ہماری طرف دیکھ بھی نہیں رہا۔ بس جب تک ہمارے تعلقات بحال نہیں کرواؤ گی۔ ہم تم سے بولنے والے نہیں۔"

"مت بولو۔۔۔ اسی بہانے کچھ زبان کو ریسٹ مل جائے گی۔"

اُسکے جواب پر لُبنیٰ ہاتھ میں پکڑا ہوا کھیرا تلوار کی طرح بلند کر کے اُسکو مارنے کے لیے اُسکے پیچھے بھاگی۔ رُباب نے کچن کے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ جہاں سے میسم اندر آ رہا تھا۔ دونوں کی بُری ٹکر ہوئی۔ اگر وہ

اُسکو کندھے سے تھام کر سیدھا نہ کرتا تو یقیناً رُباب کا سر دیوار سے ٹکرانے میں دو تین انچ کی دوری پر ہی رہ گیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر اپنا دوپٹہ سیدھا کرتی ایک طرف ہوگئی۔ دل میں سوچا یا اللہ کیا پہلے والی ملاقات میں جان نکلنے کی کوئی کسر رہ گئی ہے۔ جواب ٹکر بھی اس پہاڑ سے کروادی۔ اس سے بہتر تو دیوار میں ہی جا لگتی۔ میسم نے لُبنٰی کو گھورا۔

”کبھی انسان بننے کا پروگرام ہے یا ساری عمر یونہی جانوروں کی طرح کھانے میں اور اُچھل کود کرنے میں گزارنی ہے؟“

”اب یہ تو آپکا قصور ہے۔۔۔“

لُبنٰی کی بات پر اُس نے ماتھے پر تیوری لیے پوچھا۔ ”اس میں میرا کیا قصور ہے؟“

”دیکھیں ناں آپ نے شادی کی انسان بن گئے۔ انسان تجربے سے ہی سیکھ لیتا ہے۔ اب میں کیا اپنے منہ سے بولوں کہ بھائی میری بھی شادی کروادو۔“

” پہلے اپنا وزن دیکھا ہے۔ تم سے شادی کرے گا کون؟“

”ظاہری بات ہے۔ کوئی جگرے والا مائی کا لال ہی کرے گا۔ ویسے وہ آپکا دوست کیسا ہے؟“

جواب میں میسم نے وہ آنکھیں دیکھائیں۔ لُبنٰی کو اپنے سوال کا جواب بھول ہی جانا پڑا۔ پھر بھی باز نہیں آئی

”بھائی نہیں بتانا تو نہ بتاؤ۔۔۔ ڈرا کیوں رہے ہو۔ اب تمہارا دوست اتنا بھی حسین نہیں ہے۔ وہ تو بس اُسکی شکل ایڈیم سنڈلر سے ملتی ہے۔ تمہیں تو علم ہے۔ ایڈیم میرا پسندیدہ اداکار ہے۔ اب میں اُسکو ملنے کے لیے اتنی دور ہالی وُڈ جانے کی اس استطاعت تو نہیں رکھتی۔ اس لیے اس دو نمبر کے ایڈیم کو دیکھ کر اپنا شوق پورا کرنا چاہتی ہوں۔ اب آپ نہ جانے کیا سمجھیں۔۔۔ خیر مجھے کیا۔۔۔۔“

”تمہیں ناں میں بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میرے ساتھ خوامخواہ میں فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔ میں تم سے ناراض ہوں۔“

”میرے سے کیسی ناراضگی۔ اپنی بیگم سے پوچھیں اُسی نے ہمیں گناہگار کیا ہے۔“

”جو مرضی کہہ لو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ اور ملی بیٹے جلدی سے کھانا لگوادو۔ مہمان جلدی میں ہیں۔

"لُبنیٰ کو جواب دینے کے بعد ملیحہ کو پیغام دیکر وہاں سے نکل گیا۔

"میسم بھائی کو تو بات چاہیے ہوتی تھی۔ اگلے بندہ کا وہ ریکارڈ لگاتے تھے۔ کہ اللہ کی پناہ اب بات ہی ٹال گئے۔ ہاؤ سٹرینج۔۔۔۔"

لُبنیٰ نے حیرت کا اظہار کیا۔ جس پر ملیحہ نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"اب وہ ایسے ہی ہو گئے ہیں۔ فٹافٹ غصہ چڑھ جاتا ہے اور پھر خاموشی کا روزہ رکھ کر گھومتے رہتے ہیں۔ اب بھابھی آ گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ پہلے والے میسم بھائی بھی واپس آ جائیں۔" سلاد کے پتوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے رُباب ایسے بن گئی۔ جیسے اُن لوگوں کے درمیان موجود ہی نہ ہو۔

"سُن رہی ہو؟" لُبنیٰ رُباب سے چھوٹی تھی۔ مگر اس گُزرے ایک سال میں دونوں کے درمیاں اتنی دوستی ہو گئی ہوئی تھی۔ آپ جناب جیسے الفاظ کب کے بیکار ہو چُکے تھے۔ اب بھی وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر رُباب کو گھور رہی تھی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"صدقے جاؤں اس معصوم بھولی صورت کے۔ بی بی جی آپ بھائی کے سامنے میری صفائی دیکر ہماری صُلح کروائینگی۔"

"ہاں جیسے میرے الفاظ کا اُن پر بڑا اثر ہونا ہے۔ میرے بغیر ہی مذاکرات کرو۔ تو کامیابی کا چانس زیادہ ہے۔"

"ہم دیکھیں گے۔ پہلے تو آج کی منگنی ذرا فائنل ہو جائے۔ کہیں پہلے والے کپڑے پڑے پڑے پُرانے ہو گئے تو میری امی کا چالیس پچاس ہزار کا خرچہ بڑھ جانا ہے۔ اگر امی کا نہ بڑھا تو خالہ کا تو ضرور بجٹ خراب ہونا ہے۔"

"مجال ہے جو کبھی تم کپڑوں کی باتوں سے باہر نکل آؤ۔ بور لڑکی۔۔۔" بلال اُکتایا ہوا۔ وہاں سے ہٹ گیا۔

"لو انکو بھی سُنو خود کبھی نہانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ دوسروں کو بور کہہ رہے ہیں۔"

ڈنر سب نے اکھٹے کیا۔ ہریرہ ماں کی بجائے دادی کو گود میں رہا۔ کھانے کے بعد چائے پیتے ہی ملیحہ کے سُسرال والے چلے گئے۔ تین دن بعد کی ڈیٹ رکھی تھی۔ کیونکہ لڑکے کے ماموں نے اسی ہفتے دبئی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ اسلیے اُسکی بہن کی خواہش تھی۔ اُنکا بھائی بھانجے کی منگنی دیکھ کر ہی جائے۔ خدیجہ اور طلال احمد کے لیے تیاری کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ بیٹے کی شادی پر تو اتنا سا خرچہ بھی نہیں آیا تھا۔ مہمانوں کو الوداع کرنے کے بعد وہ لوگ اس وقت سیٹنگ روم میں ہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ طلال احمد بُلائے جانے والے مہمان گنوا کر بلال سے لسٹ بنوا رہے تھے۔

رُباب، ملیحہ اور لُبنٰی لیپ ٹاپ کے گرد بیٹھ کر مختلف ڈیزائنرز کے پارٹی ویئرز نکال نکال کر دیکھ رہی تھی۔

"پتا کیا کرو۔ کل مارکیٹ جاؤ اور بنا بنایا جوڑا خرید لو خاص آرڈر دیکر بنوانے کا اب وقت نہیں ہے۔" رُباب کے مشورے پر ملیحہ نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"انکو چاہیے تھا ناں کم از کم دو ہفتے کا ہی وقت رکھ لیتے۔ اب ریڈی میڈ میں کوئی اچھا پیس نہ ملا تو پھر۔۔۔"

"یار مل جاتا ہے۔ سب مل جاتا ہے۔ تم بس خالہ سے پوچھ کر جوڑے کا بجٹ فائنل کرو۔ باقی سر درد میری ہے۔" لُبنٰی پوری طرح ایک ایک تصویر کو پڑھتے ہوئے لاپرواہی سے بولی تو رُباب کو ہنسی آ گئی۔

"یہ سچ کہہ رہی ہے۔ قسم سے ہر دفعہ یہ ریڈی میڈ کپڑے ہی لاتی ہے اور ظالم ہر جوڑا ایک سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے۔ بجٹ اسکا ہمیشہ کُھلا ہوتا ہے۔"

"خاک کھلا ہوتا ہے۔ اس دفعہ مجھے صرف اور صرف چالیس ہزار ملا تھا اور اُس میں بھلا کیا آتا ہے۔ لینے جاؤ تو ایک قربانی کا بکرا بھی نہیں آتا اور مجھے حکم ہوا تھا۔ تین جوڑے، تین جوتے، ہینڈ بیگز، جیولری، میک اپ، ہر ایک چیز اسی چالیس کے اندر لینی ہے۔ وہ تو شکر ہے۔ میرے پاس پہلے سے ایک آدھ جوڑا پڑا ہوا تھا۔ ورنہ میں یہ منگنی کیسے دیکھ پاتی۔"

"توبہ کرو ناشکری لڑکی۔۔۔" رُباب نے ہمیشہ کی طرح اُسکو شرم دلانی چاہی۔

"ہاں تو محنت کم تو نہیں کرتی ہوں۔ سارا دن ایک ٹانگ پہ گُزر جاتا ہے۔"

"اور افسوس کہ تمہارا وزن پھر بھی کم نہیں ہوتا۔"

بلال کی بات پر اُسکو آگ ہی لگ گئی۔

"آرام سے بیٹھے رہو۔ گینڈے اپنی شکل کبھی شیشے میں دیکھی ہے۔"

اندر آتے ہوئے خدیجہ نے مداخلت کی۔

"اچھا بس بس تم دونوں اب دس بارہ سال کے بچے نہیں ہو۔ ماں باپ رشتے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ تم لوگ ہو کہ ابھی بھی جانوروں کی طرح لڑتے ہو۔"

لُبنیٰ سب بھول کر آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی۔۔۔"ہائے خالہ کیا یہ سچ ہے؟"

"کیا۔۔۔؟" خدیجہ کی سمجھ ہی نہ آیا بھانجی آخر کیا پوچھ رہی ہے۔

"یہی جو آپ کہہ رہی ہیں۔ کیا واقعی امی میرا رشتہ دیکھ رہی ہیں؟ پلیز اُنکو میری طرف سے بتا دیجئے گا۔ میں چاہتی ہوں۔ میرا اُسسر ال لاہور کا ہو۔" بلال نے نشانہ باندھ کر کُشن اُسکو مارا ساتھ ہی گھوری لیے بولا۔

"حرام ہے جو تمہیں ذرا شرم آئے۔ یہ بھی لحاظ نہیں کرتی ہو کہ خالو پاس بیٹھے ہیں۔"

"ہائے تو خالو کونسا غیر ہیں۔"

لُبنیٰ کی ڈھٹائی یونہی سب کو ہنستے رہنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

طلال احمد بھی مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے۔ آگے بڑھ کر لُبنیٰ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"بیٹا اگلی دفعہ خالو کو اشاروں اشاروں میں یہ بھی سمجھا دینا لاہور کی کس گلی اور کونسے مکان میں رشتہ لیکر جانا ہے۔ میں اپنے بھائی بہن کو سیدھا وہاں لیجاؤنگا۔"

لُبنیٰ اپنے دوپٹے کا پلو منہ میں رکھ کر شرمانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔۔

"ہائے اللہ ہر کسی کو میرے خالہ خالو جیسے خالہ خالو دیں۔"

"اچھا اب مسکا بند کرو اور جا کر سو جاؤ۔ ورنہ بارہ بجے سے پہلے تم اُٹھتی بھی نہیں ہو۔ کل بازار کا چکر لگنا ہے۔ ویسے بھی تم لوگ آج سفر کے تھکے آئے ہو۔ اُٹھو رُباب بیٹی جا کر آرام کرو۔ تمہارا سامان اوپر تمہارے کمرے میں چلا گیا ہوا ہے۔ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ ملی ذرا بھائی کو فون کرو ہریرہ کو لیکر گیا ہوا ہے۔ جلدی گھر آئے۔"

ملیحہ نے لیپ ٹاپ بند کر کے ٹیبل پر ڈال دیا۔لُبنیٰ کو واقعی نیند آرہی تھی۔وہ اُٹھ کر ملیحہ والے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔بلال بھی شب بخیر بول کر خالو کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گیا۔رُباب کو نیند تو آرہی تھی۔مگر وہ ہریرہ ہی کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔جسکو میسم نہ جانے کہاں لیکر نکلا ہوا تھا۔

''آنٹی میں اوپر جاتی ہوں۔پلیز جب ہریرہ آئے تو مجھے بتا دیجئے گا۔''

''کیوں نہیں بیٹی۔''

''ٹھہریں ذرا۔۔۔''ملیحہ کی آواز پر وہ رُک گئی۔اُس نے اپنے ٹراؤزر کی جیب سے نمبروں والا فون برآمد کر کے رُباب کے ہاتھ میں دیا۔

''اس میں بیلنس بھی ہے اور بھائی کا نمبر بھی فیڈ ہے۔فون کر کے بات کرلیں اور واپسی کا بھی پوچھ لیں۔''

''مجھے ضرورت نہیں ہے۔خود ہی آجائیں گے۔آخر ساری رات تو باہر نہیں رہ سکتے۔''وہ آگے بڑھنے لگی تھی۔جب ملیحہ نے اُسکا بازو پکڑا۔۔۔

''بھابھی کیا میرا بھائی اتنا ہی بُرا انسان ہے؟ کہ آپ اُنکو مخاطب کرنا بھی پسند نہ کریں؟''

رُباب کو اُمید نہیں تھی۔کبھی وہ یوں جوابدہ ہوگی۔اُسکی آنکھوں میں تری آگئی۔جسے دیکھ کر خدیجہ نے ملیحہ کو فضول سوال و جواب کرنے پر ڈانٹ دیا۔مگر رُباب نے انکو منع کر دیا۔ملیحہ کے قریب آئی اور اُسکے دونوں ہاتھ اپنی ہاتھوں میں لیکر ضبط رکھ کر بولی۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں میسم طلال سے زیادہ سُلجھا اور نرم خو انسان نہیں دیکھا۔اُن میں ہر وہ اچھائی موجود ہے۔جو ایک اچھے شوہر میں موجود ہونی چاہیے۔اگر وہ مجھے اتنی رُسوائی کے بغیر ملتے تو یقین مانو رُباب خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین عورت سمجھتی۔مگر اب میرے دل پر جو زخم ہیں۔وہ مجھے خوش ہونے نہیں دیتے۔آپ نے کُچھ کیا ہی نہ ہو۔ اور سب آپ کو غلط سمجھ کر نہ جانے کیا کُچھ کہتے رہیں۔''

''ہم نے تو آپکو ایک لمحے کو بھی غلط نہیں جانا۔پلیز بھابھی دنیا والوں کی خاطر اُس شخص کا مزید دل نہ دُکھائیں جو آپکا سب سے بڑا خیر خواہ ہے۔شب بخیر۔۔۔''ملیحہ اُسکے گال پر پیار دیکر چلی گئی۔وہاں اب بس رُباب اور خدیجہ رہ گئے تھے۔رُباب آکر اُن کے قدموں کے قریب قالین پر بیٹھ گئی۔

"آنٹی کیا آپ بھی سمجھتی ہیں کہ میرا رویہ بچگانہ ہے؟"

خدیجہ نے مُسکراتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر ٹھوڑی کے نیچے تین اُنگلیاں رکھ کر اُسکا چہرہ اوپر کیا۔" جانتی ہو جس دن تم اس گھر میں آئیں تھیں۔ مجھے بڑا غصہ تھا۔ جو حالت اُس دن میسم کی تھی۔ تو بہ تصور کر کے ہی دہل جاتی ہوں۔ مگر تمہارے ابو نے کہا۔ دیکھو خدیجہ تم ایسی عورت ہو جسے گلی میں کوئی بلی' کُتا زخمی یا بھوکا ملے تم گھر لے آتی ہو۔ اُنکا خیال کرتی ہو۔ کھانا دیتی ہو۔ اور جب وہ اس قابل ہو جاتے ہیں۔ دوبارہ سے جا کر دنیا کا سامنا کرسکیں تو اُنکو جانے دیتی ہو۔ آج اس بچی کو بھی ایک زخمی اکیلی بلی کی طرح دیکھو اسکو بھی تمہارے مسیحا ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ جانوروں کے ساتھ بھلائی اگر افضل ہے۔ تو انسان کے ساتھ بھلائی افضل ترین ہے۔ پھر دوسری طرف میرا شہزادہ بیٹا تھا۔

مجھے میسم نے حیران کر دیا تھا۔ جس طرح نرمی سے وہ تمہارے ساتھ بات کرتا۔ تمہیں اپنے دوستوں سے ملوایا۔ کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔ کہ یہ شادی زبردستی کروائی گئی ہے۔ فریقین کی مرضی سے نہیں ہوئی۔ مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تمہیں طعنے مار مار کر جینا حرام کر دیتا۔ جن لڑکیوں کے پیچھے ماں باپ کی سپورٹ نہ ہو۔ کون اُنکو کچھ سمجھتا ہے۔ آج تو جن کے پیچھے یہ بھرے پڑے خاندان ہوں۔ شوہر نہ جانے کیسے کیسے کمینی فطرت کے مل جاتے ہیں۔ پر اللہ تعالیٰ کا شُکر ہے۔ تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔

بیٹی جو احساسات تمہارے ہیں۔ وہ یہ نوجوان نسل نہیں سمجھ پا رہی۔ انہوں نے آج تک کوئی مشکل وقت نہیں دیکھا ہے۔ اللہ نہ ہی ان پر کوئی ایسا وقت لائیں۔ جب انکے اپنے بھی آنکھیں پھیر جائیں۔ وہ وقت بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جس میں سے تم گزری ہو۔ بغیر کسی وجہ کے ایک چھوٹے سے حادثے نے سارا کُچھ بدل کر رکھ دیا۔ تمہیں سنبھلنے میں وقت چاہیے تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں جانے دیا۔ پر بیٹی میں نہیں چاہتی ہوں۔ تم میسم سے طلاق لو۔ اگر مجھے اپنی ماں سمجھتی ہو۔ تو یہ میری خواہش سمجھ لو یا میرا حکم۔ وہ بھی یہ بات کہہ تو رہا ہے نا کہ تم ہریرہ کو چھوڑ دو وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ تمہارے جانے کے بعد اُس نے اپنا کمرہ چھوڑ دیا ہوا ہے۔ وہ اوپر نہیں رہتا۔ نیچے گیسٹ روم میں رہتا ہے۔"

وہ خدیجہ کی باتوں پر حیران ہو رہی تھی۔ بے بسی سے بولی۔

"جب میں یہ بات سوچتی ہوں۔ ابو جی کو تو یہی لگا ہوگا کہ میرا ان کے ساتھ تعلق تھا۔ کسی نے مجھ سے صفائی نہیں مانگی۔ میری امی نے بھی نہیں۔ صرف اُس دن مجھے مخاطب کیا۔ جس دن انکے ساتھ میرا نکاح پڑھوایا۔ تب بھی ابو انتہائی بے دردی سے بولے۔ اگر تم نے یہ نکاح نہیں کیا۔ میں تمہیں تو نہیں مگر خود کو ختم کر دونگا۔ آنٹی میں کیسے اس رشتے کو زندہ رکھوں۔ میرا دل کٹتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر رہا۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہوا۔ میں تمہارا ہی ساتھ دونگی۔ جیسے پہلے دیا تھا۔ پر بیٹی تم اپنے والی پوری کوشش تو کرو۔ دل کو سمجھاؤ۔ اب وہ صرف تمہارا شوہر نہیں ہے۔ ہریرہ کا باپ بھی ہے۔ بچے کو تو ماں باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے لیے دونوں ہی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ دونوں ہی اہم ہوتے ہیں۔ وہ کبھی بھی دونوں میں سے ایک کو قبول کر کے دوسرے کو راضی خوشی چھوڑ نہیں سکتا ہے۔"

وہ سر جھکائے بولی۔۔۔

"میں وعدہ نہیں کر سکتی۔ پر میں کوشش کرونگی۔ ہریرہ کہ خاطر میں کوشش کرنے کو تیار ہوں۔"

خدیجہ کے چہرے پہ پُرسکون مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

"یہ ہوئی ناں بات۔ چلو اب جا کر سو جاؤ کل بڑے کام ہیں۔ ہاں اُسکو فون کرو گھر آ جائے۔ ہریرہ بھی تھکا ہوا ہے۔"

"جی اچھا۔۔۔" اُس نے اپنے ہاتھ میں تھامے فون کو دیکھا۔

خدیجہ اپنے کمرے کہ جانب بڑھ گئیں۔ تو وہ اوپر آ گئی۔ اوپر کے پورشن میں رنگ وغیرہ نیا کیا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

انڈور پلانٹس کے بڑے بڑے گملے باہر ہال میں پلرز کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ جن میں مختلف قسم کے پودے ہریالی لُٹا رہے تھے۔ اُس کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ دل کی عجیب ہی حالت ہو رہی تھی۔ دھیمے دھیمے قدم اُٹھاتی آگے آئی۔ ہاتھ کے زور سے دروازہ پورا کھول دیا۔ کمرے میں سے جانی پہچانی ائیر فریشنر کی خوشبو نے استقبال کیا تھا۔ گہرا سانس اندر کھینچ کر آنکھیں موندلیں۔ دو چار سیکنڈ اسی طرح کھڑا رہنے کے بعد آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ سے لائٹس آن کیں۔ اب جو کمرہ اُسکی نظروں کے سامنے تھا۔ اُس کی ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔

کمرے کا تھیم نیلے رنگ کی بجائے براؤن اور گولڈن تھا۔سارا فرنیچر بدلا جا چکا تھا۔
گہرے براؤن کارپٹ میں پاؤں گم ہو رہے تھے۔اُس نے ڈریسنگ کے سٹول پر بیٹھ کر جوتے اُتار دیئے۔بالوں میں لگا کلپ کھول کر بالوں کا جوڑا بنا کر پونی سے لپیٹ دیا۔
ایک ایک کر کے اپنا اور ہریرہ کا بیگ خالی کیا۔سارا سامان نکال کر بیڈ پر رکھا۔بیگ تہہ لگا کر الماری کے نچلے خانے میں گُھسائے۔الماری کا مین پٹ کھولا تو دل میں درد اُٹھا۔کیونکہ سامنے شادی کے اول دنوں میں خریدے اور پہنے گئے تمام لباس بڑی ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ان ظالم پلوں میں اُس پہ یہ انکشاف ضرور ہوا۔یہاں سے جانے کے باوجود وہ یہی موجود تھی۔
اُس نے یہ گھر چھوڑا تھا۔مگر اس گھر نے اُسکو نہیں چھوڑا۔اندر ہی اندر دل کی زمین گیلی ہونے لگی۔وہ زیادہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔کیونکہ اُسکو علم تھا۔دل دغا دیگا۔۔۔
اور وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔میسم ابھی انا پر چوٹ پڑنے کی وجہ سے بپھرا ہوا ہے۔آخر ایک مرد کسی عورت کے پیچھے کب تک اکیلا رہ سکتا ہے۔خود ہی ایک دن تنگ آ کر آگے بڑھ جائے گا۔سارے نئے کپڑے اچھے سے تہہ لگا کر الماری میں رکھے۔ہینگر پر ڈالنے والے ہینگرز پر ڈالے ہریرہ کے پیمپرز وغیرہ ڈریسنگ کے نچلے دراز میں ڈالے۔باقی اُسکے لوشن کریمیں سب ڈریسنگ کے اوپر رکھ کر اپنا کالا لینن کا سوٹ نکال کر لباس بدلا۔وضو کیا۔۔قبلہ رُخ سے تو وہ پہلے ہی واقف تھی۔وہیں کارپٹ پر جائے نماز بچھا کر اپنے رب کے حضور کھڑی ہوگئی۔

☆......☆......☆

”یار یہ کیک تو کھا لیتا ہوگا؟“ قیصر نے تشویش سے پوچھا۔فیصل نے جھٹ کہا۔
”دماغ تو نہیں چل گیا۔بچے کے ابھی تک دانت بھی نہیں تم اُسکو کیک کھلا لو۔“
”آئسکریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟“
”اُس کو ٹھنڈ لگ جائے گی۔۔۔“ قیصر اور میسم فیصل کو گھورنے لگے۔
”کمینے تو بھی ہماری طرح چھڑا چھانٹ ہے پھر تُجھے بچوں کے بارے میں اتنا کیسے علم ہے؟“ قیصر کی بات

پر فیصل نے کیک کا بڑا سا چمچ منہ میں رکھا۔

''میری دو عدد بڑی بہنیں شادی شُدہ ہیں۔ دونوں کے بچوں کو کھلایا ہوا ہے۔ اسلیے مجھے اندازہ ہے۔ چھوٹے بچے کو کیسے دیکھتے ہیں۔''

''واہ یار پھر تو مجھے تم سے کلاسیں لینی چاہیے ہیں۔'' فیصل نے میسم کو آفرکی۔۔۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ تم ایک کلاس کے دس ہزار دے دیا کرنا۔ میں تمہیں ہفتے کی چار کلاسیں دونگا۔''

''بس کردی نہ دو نمبر بیوپاری والی بات۔ جس کے پاس اول تو کوئی گاہک آتا نہیں ہے۔ اور اگر کبھی بھولے سے کوئی مُرغا ہاتھ لگ جائے تو اُنکے ریٹ ایک دم شوٹ کر جاتے ہیں۔''

''چھوڑ یار میسی کس کو شرم دلوا رہے ہو۔ ویسے یار ہریرہ ہے تو بیبا بچہ کتنی دیر ہوگئی تمہاری گود میں آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ ورنہ اتنے چھوٹے بچے تو اکثر روتے ہی رہتے ہیں۔''

فیصل جلدی سے بولا۔'' یہ ایک صابر باپ کا صابر بچہ ہے۔ اسکا باپ بھی نہیں روتا۔ یہ بھ۔۔۔'' میسم نے اُسکو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''بس میری عزت افزائی بہت ہوگئی۔ اب ذرا اصل موضوع پر بات ہو جائے۔ پرسوں ملی کی منگنی ہے۔ تم لوگوں کو دوسروں کی طرح باقاعدہ کارڈز بھیجنے پڑیں گے یا آجاؤ گے؟''

''نہیں یار تم نے بتا دیا ہے۔ اتنا ہی کافی ہے۔ ویسے بھی اپنی تو گھر والی بات ہے۔ بلکہ ہمارے لائق کوئی بھی خدمت ہو ضرور بتانا۔''

''ہاں بس کوشش کرنا آنے سے پہلے منہ اچھی طرح دھو آؤ۔'' میسم نے ہریرہ کے ہاتھ میں ایک بسکٹ تھمایا اور پریشانی سے اپنے دوستوں کو دیکھا۔

''یار اسکو جو بھی کھانے کی چیز دیتا ہوں۔ یہ کھانے کی بجائے اُسکے ساتھ کھیلنے لگتا ہے۔'' میسم کے تاثرات دیکھ کر دونوں کو ہنسی آگئی۔

''بھائی بچہ شکل وصورت میں باپ پر گیا ہے۔ تو حرکتیں بھی تو باپ جیسی ہی کرے گا ناں۔ پر فکر نہ کرو۔ بڑے وقت پر ہی اپنی شاگردی میں آگیا ہے۔ ہم اپنے شیر کو سب سکھا دیں گے۔'' فیصل نے ہریرہ کو گود

میں لیا۔ وہ ہنستے ہوئے فیصل کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جبکہ قیصر بولا۔

"تمہاری شاگردی میں تو وہ بس کھانا ہی سیکھے گا۔ ایک لڑکی کا نمبر تک تو تم مانگ نہیں سکتے۔" اس بات پر ہریرہ رونے لگا۔ فیصل اُسکو بہلاتے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیا تمہارا جھوٹ اتنے سے بچے نے بھی فٹ پکڑ لیا ہے۔ ہریرہ یار تم صحیح وقت پر آئے ہو۔ تمہاری سحرش آنٹی نے بے وفائی کی ہے۔ یار اُسکی منگنی ہوگئی ہے۔ اب دیکھنا ہم اُسکے میاں سمیت اسکو ملی پھوپھو کی منگنی پر انوائیٹ کریں گے۔ تمہارا چچا اُس دن بیوٹی پارلر سے تیار ہوگا۔ تب اُس ظالم کو احساس ہوگا۔ ایک گلفام کو چھوڑ کر وہ پیسے والے لنگور کے ساتھ چلی گئی ہے۔ اب بھلا کنگلا گلفام اور رئیس لنگور برابر تھوڑی ہیں۔ یار تم بھی جلدی سے بڑے ہو جاؤ تمہارے ماں باپ تو بچوں جیسے رویے رکھتے ہیں۔"

"میں اب چلتا ہوں۔ ہریرہ کو نیند آرہی ہوگی۔ سوا بارہ ہوگئے ہیں۔ یہ اس وقت پاکستان کا واحد چار ماہ کا بچہ ہوگا۔ جو جاگ رہا ہے۔ امی بتا رہی تھیں۔ یہ رات کو پیدا ہوا تھا اور جو بچے رات کو پیدا ہوتے ہیں وہ رات کو زیادہ جاگتے اور دن میں سوتے ہیں۔"

"یہ بھی عجیب سائنس ہے۔" میسم کے اُٹھتے ہی دوسرے دونوں بھی اُٹھ گئے۔ بل پے کر کے کافی شاپ سے نکل کر پارکنگ لاٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ بولا۔

"یار اپنی طرف سے پُرانے گروپ میں سے جس کو چاہو انوائٹ کر لینا میں کل بلال کو کہہ کر خالی کارڈز تم دونوں کی طرف بھجوا دونگا۔"

"کہا تو ہے۔ کارڈز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ویسے بھی اچھا کھانا کم ہی چھوڑتے ہیں۔ بے فکر رہو۔ ساری پلٹون حاضر ہوگی۔"

ڈرائیور انتظار میں بیٹھا تھا۔ اُسکے پچھلی سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔ جونہی گاڑی گیٹ سے اندر آئی۔ اُسکی نظر اوپر اپنے کمرے کی بالکونی پر پڑی۔ جہاں کُھلے دروازے میں سے لائٹ جلتی نظر آرہی تھی۔

"چلو ہریرہ تمہارے آنے سے تاریک پڑا آنگن آباد تو ہوا۔۔۔"

ہریرہ اُسکے سینے پہ سر رکھے مزے سے سو رہا تھا۔ اُس نے اپنا لمبا سا بازو اُسکے گرد لپیٹ کر ہاتھ سر کی بیک پر

رکھا ہوا تھا۔ نہ جانے کتنی دفعہ اُسکی پیشانی پہ بوسے دے چکا تھا۔ پھر بھی ہر دفعہ سر جُھکا کر ہریرہ کا چہرہ دیکھتا۔ بے اختیار اپنے لب اُسکے چہرے پہ رکھ دیتا۔

گیسٹ روم کے باہر کو کھلنے والے دروازے سے باہر کا لاک کھول کر اندر آیا۔ جب بھی وہ گھر دیر سے آتا۔ کسی کو اُٹھ کر اُسکے لیے دروازہ نہ کھولنا پڑے۔اسی کو مدِ نظر رکھ کر اس دروازے کی چابی ہمیشہ اُسکے پاس ہوتی تھی۔ خدیجہ وغیرہ بھی اس بات کا خیال رکھتے تھے۔ دروازہ میں اندر کی جانب چابی نہ رہ جائے۔ اُس صورت میں اُسکو مین بڑا دروازہ ہی کھٹکھٹانا پڑتا۔ اندر آ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا وہ گیسٹ روم سے نکل کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

اوپر آتے ہی کانوں سے جو آواز ٹکرائی وہ ٹی وی کی تھی۔ آج وہ پورے گیارہ ماہ بعد اپنے کمرے کا رُخ کر رہا تھا۔ اسکوامی نے اتنا کہا کم ازکم اوپر ایک دفعہ جا کر نئی سیٹنگ ہی دیکھ آؤ۔ مگر اُس نے کوئی شوق ظاہر نہ کیا۔ حقیقت میں اُسے کوئی سروکار نہ رہا تھا۔ اُسکی بلا سے چاہے کمرے کو سارا کالا ہی رنگ کیوں نہ کر دیتے۔

اندر آتے ہی نظروں نے اُسے فوکس کیا۔ جو کالے جوڑے پر سفید دوپٹے کی بُکل مارے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ میسم کا جی چاہا اُسکے چہرے پہ رقم سارا سکون نوچ ڈالے۔ رُباب اُسکو اندر آتے دیکھ کر ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسکی جانب بڑھی۔

بڑی احتیاط کے ساتھ میسم سے ہریرہ کو لے لیا۔ اس عمل کے دوران اُس نے میسم سے نظر نہیں ملائی۔ نہ ہی براہِ راست اُسکے چہرے کو دیکھا۔ دیکھ لیتی تو کم ازکم یہ ہی جان پاتی اُسکی آنکھوں سے کس قدر شعلے نکل رہے تھے۔ وہ پہلے سے ہی ہریرہ کے کپڑے نکال کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسکو بیڈ پر اپنے آگے لٹانے کے بعد خود اُسکے پیروں کے قریب بیٹھ گئی۔

پہلے اُسکے جوتے اُتارے۔ پھر جرابیں، اسی طرح ٹراوزر اُسکے بعد شرٹ، سوئیٹر صرف نیچے ڈالی گئی ہائی نیک رہنے دی۔ پیمپر بدلنے کے بعد ململ کا شلوار سوٹ پہنایا۔۔۔ نئی کُھلی سی جرابیں ڈالیں۔۔

اُس کے اوپر کمبل ڈال کر ساری چیزیں سمیٹتے ہوئے اپنے خیال میں اُٹھی اور سامنے دیوار بن کر کھڑے میسم سے ٹکرا گئی۔

''سوری مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ میں سمجھی آپ واپس نیچے جا چکے ہونگے۔۔۔''

میسم دھیرے سے ہنسا۔ انداز خود اپنا مذاق اُڑانے والا تھا۔ ''تم سمجھیں میں نیچے چلا گیا ہوں یا تم چاہتی ہو میں نیچے چلا جاؤں۔''

وہ اُسکی آنکھوں میں دیکھنے کی غلطی کرگئی۔ جو کہنے جا رہی تھی۔ بات بھول گئی۔ میسم کی نگاہوں میں رُباب کو اپنے عکس کے سوا اور کُچھ نظر نہ آیا۔

'' وہ۔۔۔ میں۔۔۔ یہ کپڑے رکھنے جا رہی تھی۔ ہاتھ دھو کر ہریرہ کو فیڈ رد ینا ہے۔''

''میں نے تو تم سے کچھ نہیں پوچھا۔ مجھے کیوں بتا رہی ہو۔'' وہ ایک طرف ہو کر لاتعلقی سے بولا۔ رُباب اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ گال سُرخ ہو گئے۔ لب بھینچے اُس نے ہریرہ کے اُتارے ہوئے کپڑے ڈریسنگ کے پاس پڑی ٹوکری میں رکھے۔ واش روم سے جا کر صابن سے ہاتھ دھو آئی۔

ہریرہ کا فیڈر بنا کر اُس نے کور میں رکھا تھا تا کہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ ابھی کمرے میں موجود میز پر رکھا فیڈر اُٹھا کر کور ہٹایا اور بیڈ پر بیٹھ کر پہلے ہریرہ کو گود میں لیا۔ پھر اچھے سے فیڈر ہلا کر اُسکو پلانے لگی۔ اس دوران میسم واش روم سے ہو کر آیا۔ ٹی وی ریموٹ ہاتھ میں لیکر بیڈ پر جوتوں سمیت ہیڈ بورڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر ایک ہاتھ سر کے پیچھے رکھے بظاہر وہ چینل سرفنگ کر رہا تھا۔ مگر نظریں اُس آنچل سے ڈھکے سر پہ تھیں۔ جو پوری توجہ سے ہریرہ کو فیڈ کروا رہی تھی۔ وہ بار بار سو جاتا۔ وہ بار بار اُسکو ہلا کر متوجہ کرتی۔ کبھی اُسکے چہرے پر ہلکی سی پھونک مارتی جس سے ہریرہ گہری نیند سے ذرا بیدار ہو کر پوری دل جمعی سے دودھ پینے لگتا۔ یہ وہ گیم تھی۔ جو دونوں ماں بیٹا دن میں کئی مرتبہ کھیلتے۔ کیونکہ جب ہریرہ سوتا تھا تو گھوڑے گدھے بیچ کر سوتا۔ وہ اپنے آپ پر اختیار نہ رکھ پایا۔ اُٹھ کر بیٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر رُباب کے گرد لپٹے دوپٹے کی گرہ دھیرے سے کھول کر دوپٹہ ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔

ایک سرد لہر رُباب کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی محسوس ہوئی۔۔۔

''میری اس جسارت پر بُرا مت منانا۔ اس وقت تم صرف اور صرف ہریرہ کی ماں لگ رہی ہو۔ اور مجھے اپنی رُباب کی تلاش ہے۔''

اُس نے پونی نکال کر اُسکے بال بکھیر دیئے۔ خود ایک دفعہ اپنی پہلی حالت میں چلا گیا۔ گھنے سلکی بالوں کو اجازت ملنے کی دیر تھی۔ کسی آبشار کی طرح اُسکے چہرے کے گرد گرے۔ رُباب نے دونوں آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ کھولیں تو اُن میں نمی تھی۔ ایک بار تو جی چاہا ہریرہ کو لٹا کر اپنے اس دیوانے شوہر کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے۔ بے شک اُس نے اسکا دل دُکھا کر گناہ کیا تھا۔ مگر بے بسی اس قدر تھی۔ کوئی اور راہ بھی تو نہ تھا۔ وہ خود سے ہی لڑ رہی تھی۔ جب میسم کا سوال آیا۔

"جب ہریرہ ہوا تھا۔ تب تمہارے پاس کون تھا؟" رُباب اُن پلوں کو یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر بھولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"آنٹی اور خالہ۔۔۔"

"آنٹی کون۔۔۔؟"

"آپکی امی۔۔۔" دوبارہ سے پھر دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ وہ چینل بدلتا دو تین منٹ بے خیالی میں سکرین کو دیکھتا۔ پھر اگلا چینل لگ جاتا۔ ہریرہ کو بیڈ پر لٹا کر اچھے سے کمبل دینے کے بعد اُٹھ رہی تھی۔ کہ حکم موصول ہوا۔

"میرے جوتے اُتا دو۔۔۔"

اُس نے چونک کر گردن موڑی۔ آیا یہ الفاظ میسم کے ہی ہیں۔ اُس نے ٹی وہ سکرین سے نظر ہٹا کر بھنویں اچکا کر اُسکو دیکھا۔

"کیا سُنائی نہیں دیا؟" رُباب نے کچھ نہیں کہا۔ اُٹھ کر اُسکے جوتے اُتار دیئے۔ ساتھ ہی جرابیں بھی کھینچ کر لانڈری والی ٹوکری میں پھینک دیں۔

"اور کچھ۔۔۔؟" وہ پوچھ کم اور گھور زیادہ رہی تھی۔

"ادھر الماری میں اگر کوئی سلیپنگ سوٹ ہے تو نکال دو۔ ورنہ نیچے سے لیکر آؤ۔۔۔" اُس نے غور سے اُس آدمی کو دیکھا۔ جو اپنے ذاتی کام کے لیے ماں یا بہن کو بھی تکلیف نہیں دیتا تھا۔ وہ اگر پہلی دفعہ اُسکے ساتھ اس طرح سے موجود ہوتی تو حیران نہ ہوتی۔ مگر وہ ماضی میں اس آدمی کے ساتھ پورے چالیس دن گُزار چکی

تھی۔ وہ ایسا انسان تھا۔ اگر رات کو پیاس لگتی تب بھی خود جا کر پانی پی کر آتا۔ کسی دوسرے کو حکم دینا اُسکی فطرت میں شامل نہیں تھا مگر اس وقت وہ ایسا کر رہا تھا۔

رُباب اُسکے کپڑے پہلے ہی وہاں پڑے دیکھ چکی تھی۔ گرے اور سفید چیک والا کاٹن کا ٹراوزر ساتھ میں سادی سفید ٹی شرٹ نکال کر واش روم میں رکھ آئی۔

اب وہ اُسکو دیکھ رہی تھی۔ یہ اُٹھ کر واش روم میں جائے تو وہ سونے کے لیے لیٹے۔ مگر وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی توجہ اور فُرصت سے ٹی وی سکرین پر تھرکتے وجود دیکھنے میں مصروف تھا۔

سنی لیونی اپنی دیسی لُک کا جلوہ ہر ادا سے دیکھا رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی جان بوجھ کر انجان بنا بیٹھا ہے تا کہ رُباب خود سے مخاطب کرے۔ پورے پانچ منٹ اسی ڈرامے میں گُزرنے کے بعد ناچار اُسکو بولنا پڑا۔

"میں نے آپ کے کپڑے واش روم میں رکھ دئے ہیں۔ اُٹھ کر بدل لیں۔"

کوئی ردِ عمل ہی نہیں۔۔۔

اب رُباب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ سنی لیونی گئی تھی اور دیپکا جھٹکے پھٹکے کھاتے ہوئے یہ اعلان کر رہی تھی۔ وئے میں کملی ہوگئی آ نام تیرا پڑھ کے۔۔۔ آخر اُس نے مزید کہنے سُننے کا ارادہ ترک کیا۔ ہریرہ کا ڈبل کمبل لیا۔ صوفے پر لیٹ کر سر تک کمبل اوڑھ لیا۔ ابھی دو سیکنڈ ہی گزرے ہونگے جب کمبل کھینچا گیا۔

"تمہاری اس بچکانہ حرکت کا کیا مطلب لوں؟" رُباب سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بے بسی سے بولی۔

"میں نے کوئی حرکت نہیں کی ہے۔ بس سونا چاہ رہی ہوں۔"

"صوفے پر سونے کی تمہاری بڑی پُرانی خواہش رہی ہے مگر تمہاری بدقسمتی کہ مجھے یہ حرکت انتہائی چیپ لگتی ہے۔ لوگ بظاہر شادی شُدہ ہوں۔ اولاد پیدا کر کے پھر ایک دوسرے سے بھاگتے پھریں۔ بیگم جی اگر کوئی اتنا ہی نازک مزاج ہو۔ تو پھر اُس انسان کو چاہیے کہ وہ مر تو جائے پر اوکھلی میں سر نہ دئے۔ اور اگر دے لے تو پھر مردوں کی طرح سر اُٹھا کر زندگی گزارے۔"

"جا کر بیڈ پہ سو جاؤ یقین مانو میرے دل میں تمہارے قُرب کی تمام چاہت اپنی موت مر چُکی ہے۔

تمہارے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خوامخواہ تم میری توجہ حاصل کرنے کو یہ اُلٹی سیدھی حرکتیں کررہی ہو۔" رُباب کو لگا شاید یہ اُسکی سماعت کا دھوکا ہو۔ مگر نہیں یہ سب باتیں میسم نے ہی کی تھیں۔

اپنی بات کرنے کے بعد اُس نے اپنی کلائی سے گھڑی کھول کر بیڈ سائیڈ دراز پر رکھی، ساتھ ہی جیب میں سے والٹ اور موبائل نکال کر رکھا۔۔۔۔ کف کھولتا ہوا۔ الماری کی جانب گیا۔ کُرتا اُتار کر ہینگر پر ڈالنے کے بعد واش روم میں بند ہوگیا۔ رُباب نے ہر سوچ، دماغ سے جھٹکی، لائٹ ڈم کی اور آ کر ہریرہ کے برابر لیٹ گئی۔ وہ اس وقت ذہنی و جسمانی طور پر تھکی ہوئی تھی۔ ابھی ہریرہ نے ایک دفعہ اسکو چار پانچ بجے پھر اُٹھانا تھا۔ اُس سے پہلے وہ نیند لینا چاہتی تھی۔

اس دفعہ کمرے میں جو شور جاگا وہ میسم کے موبائل کا تھا۔

رُباب نے سر کمبل کے اندر کیا اور ڈھیٹ بنی پڑی رہی۔ ایک دفعہ بیل ہو ہو کر بند ہوگئی۔ دوسری دفعہ جاری ہوئی تو وہ واش روم سے نکل آیا تھا۔ فون کی سکرین پر نظر پڑتے ہی اُسکے لب مُسکرا اُٹھے۔ وہ اس نمبر سے پچھلے ایک ہفتے سے کال موصول کررہا تھا۔ مگر اُٹھائی نہیں۔ پر اس وقت یہ کال اُسکو کوئی غیبی مدد لگی۔

"ہیلو سوئٹ ہارٹ کیسی ہو؟" کمبل کے اندر رُباب کی دونوں آنکھیں پٹ سے کُھل گئیں۔ کانوں میں اگر زوم اِن ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے تو وہ سو فیصد زوم اِن کر گئے تھے۔ دل کی دھڑکن شوٹ کر گئی۔ آخر کس کو اس پیار سے مخاطب کیا ہے؟

"ارے نہیں یار اب میں اتنا بھی بد ذوق انسان نہیں ہوں۔ رات کی ان حسین گھڑیوں میں تمہارے جیسی حُسن کی دیوی سے بات ہونا تو اپنی جگہ ایک معنٰی رکھتا ہے۔"

"سوری یار آج میں ذرا آن لائن نہیں آسکا۔ اصل میں ایک تو میرا بیٹا آیا ہوا ہے۔ دوسرا آج میری سسٹر کے سُسرال والے کچھ معاملات طے کرنے آئے ہوئے تھے۔ اُسکے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ نکل گیا۔"

"نہیں کل آفس شائد ہی آپاؤں گا۔۔ تم ایسا کرو۔ پرسوں شام میرے گھر پہ فنکشن ہے۔ وائے ڈونٹ یُو جوائن می فار دا ایوننگ۔۔ ہم کام کی ٹرمز پر بھی بات کرلیں گے کیونکہ مجھے نہیں لگتا اگلے آنے والے کچھ دن میں آفس کا چکر لگا سکوں گا۔"

نہ جانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا جس پر وہ دلکش قہقہہ مار کر بولا۔۔

"ایمان میری فیملی میرے حوالے سے بہت آزاد خیال ہے۔ وہ یقیناً تمہاری ہمارے ہاں آمد کو بہت پسند کریں گے۔"

"ارے یار تم تو جو بھی پہن لو اپسرا ہی لگو گی۔ مگر بس ایک چیز کا خیال رکھنا۔ ساڑھی سے مجھے عجیب سی نفرت ہے۔ بس ساڑھی چھوڑ کر کچھ بھی پہنو گی۔ قیامت ہی ڈھاؤ گی۔ میں تمہیں اپنے گھر کا ایڈریس ایس ایم ایس کر دونگا یا اگر چاہو گی تو خود پک اینڈ ڈراپ دے دونگا۔"

دوسری جانب چانس کی متلاشی ایمان کو یقین ہی نہ آ پا رہا تھا کہ فون پر یہ وہی میسم ہے جس کے آفس کے وہ کتنے چکر لگا چکی تھی۔ وہ سیدھے منہ بولنا تو دور کی بات ہے نظر اُٹھا کر ایک نظر دیکھتا تک نہ تھا۔ وہ فون کر کر کے کھپ چکی تھی۔ مگر وہ کبھی فون اُٹھاتا ہی نہ تھا۔ فیس بک پر بھی میسج دیکھ لیتا پر جواب دینے کی زحمت کبھی بھی گورا نہیں کی۔ آج اُس نے ایویں سونے سے پہلے عادت کے مطابق نمبر ملایا پر آج میسم طلال کسی اور ہی موڈ میں تھا۔ وہ سیٹی پر شوخ سی دُھن بجاتا ہوا۔ آکر اُس کے برابر میں لیٹ گیا۔ نیم اندھیرے کمرے میں پوری آنکھیں کھول کر دیکھتے ہوئے بھی وہ یوں بن گئی جیسے سوئی ہو۔ ٹی وی بند ہونے کے بعد رُباب کو جب اُس کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو سر کمبل سے باہر نکالا مگر غلطی ہی کی کیونکہ عین اُسکے چہرے کے قریب سر رکھے اُسکی طرف دیکھ کر بڑی کمینگی سے مُسکرایا۔

"تمہیں یقیناً اس وقت بھی لوگوں کی فکر سونے نہیں دے رہی۔ آخر لوگ کیا کہیں گے۔ ویسے تو شوہر کے خلاف خلع کا کیس دائر کیا ہوا ہے اور اب اُسی کے پہلو میں سو رہی ہے۔"

رُباب کی جی چاہا ہر لحاظ بلائے طاق رکھ کر اُس کو پوچھے ابھی فون پر کون تھی؟ کس کو سوئٹ ہارٹ کہہ رہے تھے؟ کون ہے جو تمہیں ہر روپ میں اپسرا لگتی ہے؟ پھر ایک دم سوچ کا بے لگام گھوڑا اتھم گیا۔ کیونکہ وہ اس پوائنٹ پر ششدر رہ گئی۔ کیا میں کمبل کے اندر سے میسم کی ساری باتیں اس قدر غور سے سُن رہی تھی کہ لفظ بہ لفظ ازبر رہ گیا؟۔۔ اس ایک سوال نے اُسکو انتہائی بے چین کر دیا۔ جب میں انکے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ پچھلے ایک سال سے ہمارے درمیان کچھ ہے ہی نہیں تو میری بلا سے جسکو مرضی جو مرضی بولیں۔ سوئٹ ہارٹ یا

ڈارلنگ۔۔۔ مجھے کیا۔ مگر ہزار دفعہ سمجھانے پر بھی نیند آنکھوں سے کوسوں دور رہی۔ میسم بھی اُسکی جانب سے کروٹ بدلے ساکت پڑا ہوا تھا۔ اب اللہ جانے سو گیا تھا۔ یا اسکی طرح وہ بھی جاگ ہی رہا تھا۔ آنکھ لگی ہی ہوگی۔ جب ہریرہ کے رونے کی آواز کے ساتھ کمرے میں سیٹی کی آواز گونجی۔ رُباب کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ہریرہ اتنا شرارتی بچہ ہوگا۔ روتا روتا سیٹی کی آواز پر ہنسنے لگ گیا۔

ساتھ ہی میسم کا قہقہہ گونجا۔۔۔

ہریرہ پھر سے رویا۔۔۔۔ سیٹی بجی ساتھ ہی ہنسنے لگا۔ یہ گیم اُس وقت چلتا رہا۔ جب تک رُباب نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ہریرہ کی نیپی نہیں بدلی پھر لائٹ بند کر کے اُسکو گود میں لیکر فیڈ کروانے لگی۔ میسم کی جانب پُشت تھی۔ سر پہ دوپٹہ رکھے اپنے دھیان میں بیٹھی تھی جب میسم نے ایک دفعہ پھر سیٹی بجائی۔ ہریرہ صاحب دودھ پینا چھوڑ کر کھی کھی کرنا شروع ہو گئے اور ہنس بھی وہ ایسے رہا تھا۔ جیسے باقاعدہ طور پر کسی نے گُدگُدی کی ہو۔

خاموشی ہوئی۔ ہریرہ پیٹ پوجا کرنے میں مصروف ہوا۔ سیٹی گونجی دوبارہ وہی ڈرامہ ہوا۔ جب چوتھی دفعہ یہی عمل دُہرایا گیا تو رُباب کی کڑک دار آواز اُٹھی۔

"میسم اگر اب آپ نے سیٹی بجائی تو اللہ کی قسم میں ہریرہ کو لیکر نیچے ملی کے کمرے میں چلی جاؤنگی۔"

اندھیرے میں میسم کی مسکراتی ہوئی آواز آئی۔

"مجھے کیوں آنکھیں دیکھا رہی ہو۔ اپنے بیٹے کو ڈانٹو۔ میں نے آخر کیا ہی کیا ہے؟

ایک اور سیٹی۔۔۔ ہریرہ کے قہقہے۔۔۔ وہ پہلے ہی اتنی مشکل سے نیند بھگا کر اُٹھی تھی۔ غُصے سے ہریرہ کو میسم کے برابر بیڈ پر لٹا کر اُٹھنے لگی۔

"آپ دونوں اپنی مستیاں جاری رکھیں۔ میں یہاں سے جاتی ہوں۔"

میسم نے جلدی سے اُسکا بازو پکڑ کر روکا۔

"اچھا یار اب نہیں کرتا۔ سوری۔۔۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔۔۔"

وہ سنجیدہ ہو کر کروٹ کے بل لیٹ گیا۔ دو تین منٹ انتظار کرنے کے بعد رُباب نے ہریرہ کو دوبارہ فیڈ کروانا شروع کیا۔ جب تک وہ سویا۔ باہر مساجد میں فجر کی اذان ہو گئی تھی۔ بچے کو اچھی طرح کمبل اوڑھانے

کے بعد خود واش روم میں جا کر وضو کیا۔ وہ سمجھی میسم سو گیا ہے۔ مگر جب وہ اپنی دوسری رکعت کے لیے کھڑی ہوئی۔ میسم نے اپنا جائے نماز اُس سے تھوڑا آگے بچھایا۔ اور نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

رُباب کی نظروں کے سامنے سے اسی کمرے میں ادا ہونے والی کئی فجر کی نمازوں کے منظر گھوم گئے۔ میسم نے جتنی دفعہ گھر پہ فجر پڑھی ہر دفعہ اپنا جائے نماز رُباب سے آگے رکھ کر بچھایا۔ دیکھنے میں یونہی معلوم ہوتا جیسے وہ امامت کروا رہا ہو اور وہ اُسکی پیروی میں اُسکے پیچھے نماز ادا کر رہی ہو۔ رُباب کو لگا دل کے لوتھڑے کو کسی گرماہٹ میں لپیٹ دیا گیا ہو۔ آنسو لڑیوں کی صورت میں ایک ایک کر کے بہتے چلے گئے۔ فوری طور پر دعا مانگ آ کر لیٹ گئی۔ سر بُری طرح سے دُکھ رہا تھا۔ نیند تو ذرا بھی پوری نہ ہو پائی تھی۔

جلد ہی نیند اُس پر مہربان ہو کر اردگرد سے بے خبر کر گئی۔ وہ جائے نماز تہہ کر کے رکھنے کے بعد لائٹ آن کر کے بیڈ کے قریب آیا۔ رُباب نے آنکھوں کے اوپر اپنا دوپٹہ رکھا ہوا تھا۔ ہونٹ ہلکے سے وا تھے۔ وہ سو رہی تھی۔ بڑی نرم گرفت کا استعمال کرتے ہوئے اُس نے اُسکی آنکھوں سے دوپٹہ تھوڑا پیچھے کیا اور اپنے موبائل میں ایک کے بعد ایک بغیر فلیش کے تصویر کھینچی۔۔۔ چہرے پر گہری اور کسی حد تک اذیت آمیز سنجیدگی تھی۔

☆......☆......☆

میسم نے ایونٹ پلاننگ والوں کے ساتھ ٹھیکا کر کے سارا کام اُنہیں سونپ دیا تھا۔ مکمل اخراجات کا تیسرا حصہ وہ دے چکا تھا۔ انٹرٹینمنٹ کا ذمہ بھی اُنہی کا تھا۔ انتظامات ہونے گھر پر ہی تھے۔ پر گھر والوں کی سر درد کوئی نہ تھی۔ خدیجہ، ملیحہ، رُباب اور لُبنیٰ تیار ہو کر دن کے بارہ بجے گھر سے ڈرائیور کیساتھ نکلیں تھیں۔ ہریرہ باپ کے پاس گھر پہ رہا تھا۔ خدیجہ نے ملیحہ کے سُسرالیوں کو دینے والے گفٹ وغیرہ سب رُباب سے باہم مشورہ کر کے خریدے۔ ملیحہ کا جوڑا لیا۔ جوتے جیولری وغیرہ۔ لُبنیٰ نے اپنے لیے صرف جوتے ہی لیے۔

البتہ رُباب نے اپنی ٹھیک ٹھاک شاپنگ کی۔ صبح اُٹھتے ہی ایک خیال اُسکے ذہن میں گھر بنا چکا تھا۔ اور وہ اُس پر پورا پورا عمل کرنے کے پروگرام میں تھی۔ اُسی کے مطابق شاپنگ کی۔ واپسی پر کل کے لیے سالون والوں کے ساتھ بکنگ کی۔۔۔ شام پانچ بجے جب گاڑی پورچ میں رُکی۔ اپنے سے آگے والی گاڑی دیکھ کر رُباب کے ہاتھ پیر یک دم ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ اس گاڑی کو ایک سال کیا دس سال بعد بھی دیکھتی تو فوراً پہچان جاتی۔

سب سے پہلے وہ گاڑی سے باہر آئی۔ ہاتھ لگا کر دوسری گاڑی کی بیک سکرین پر لکھے الفاظ کو محسوس کیا۔ ہاتھ میں کپکپاہٹ آ گئی۔ اُسکا جی چاہا پر لگ جائیں اور وہ اُڑتی ہوئی اندر پہنچ کر دیکھے کہ گاڑی پر کون آیا ہے۔ مگر قدم یوں من من کے بھاری ہو گئے۔ ملیحہ اُسکو دیکھ کر تشویش سے بولی۔

"امی مجھے لگتا ہے بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھیں تو رنگ کیسے لٹھے کی طرح ہو رہا ہے۔"

خدیجہ اُسکی جانب بڑھیں جو اپنا ہینڈ بیگ بھی گاڑی میں ہی چھوڑ کر اندر کی جانب جا رہی تھی۔

"رابی۔۔؟؟ کیا ہوا؟" اُس نے نفی میں سر ہلا ہا۔ اُنکا کندھے پہ دھرا ہاتھ جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔ ہال کے دروازے کے پاس تھی۔ جب اندر سے میسم کے قہقہوں کا ساتھ کسی اور کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔

"بھائی صاحب صبح سے یہ دونوں باپ بیٹا مجھے یونہی مصروف کیئے ہوئے ہیں۔ اب اچھا ہوا آپ بھی آ گئے۔ دیکھ لیں انکے تماشے۔۔۔"

ہال کے دروازے سے اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ڈبل صوفے پر طلال احمد کے برابر بیٹھے شخص کو دیکھ کر اُسکو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ ساری کائنات اپنے مدار میں تھمتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اگر پیچھے سے ملیحہ نہ تھام لیتی تو شاید پورے قد سے گرتی۔ سامنے موجود ہستی کوئی اور نہیں رُباب کے ابو تھے۔ ملک عالم حیات۔۔۔

ملیحہ کا ہاتھ تھامے ہی وہ قدم قدم چلتی اندر آئی۔ تبھی اُن کی نظر پڑی۔ مُسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ وہی روشن چمکتا سُرخ و سفید چہرہ کنپٹیوں پر سفید تاریں۔۔۔ کریم کرنڈی کے شلوار سوٹ پر سکن رنگ کا ٹنیزا کا سوئٹر کندھے پر کریم گرم چادر۔۔۔

میسم نے اُنکی گود سے ہریرہ کو لیا۔ رُباب اُنکے سینے سے لگی تو یوں لگا زندگی کے تپتے صحرا میں ٹھنڈی چھاؤں میسر آ گئی ہو۔ اُسکو اپنے اوپر کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ زندگی نے سب کُچھ دیا تھا۔ محبت کرنے والا شوہر اتنی چاہت کرنے والی سُسرال اتنا پیارا صحت مند بیٹا۔ کسی کے پاس یہ سب کُچھ ہو تو کوئی پاگل ہی ناخوش رہے گا۔ مگر رُباب اب تک نہ خوش ہی تھی۔ کیونکہ اُسکے پاس سب کُچھ تھا۔ مگر باپ کا شفقت بھرا لمس نہیں تھا۔ اُس کے پاس یہ یقین نہیں تھا کہ آیا وہ ماں باپ کے منہ سے نکلنے والی دُعاؤں میں حصہ دار ہے یا نہیں۔ وہ اپنے باپ کی دہلیز سے جب نکلی تھی۔ تب وہ اُن سے ناراض ہو کر آ گئی تھی اور وہ اس سارے وقت میں زندگی سے بھی صرف

اسی لئے ناراض رہی کیونکہ ماں باپ سے ناراض تھی۔ آج ابو کے سینے پر سر رکھ کر معلوم ہوا۔ اس محبت کی کمی تھی اور یہ کمی ہر خوشی پر بھاری تھی۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ عالم حیات نے بڑے پیار سے اُسکو ساتھ لگایا ہوا تھا۔ اُس کے سفید سندھی کڑھائی والی چادر سے ڈھکے سر پر ایک ہاتھ پھیرتے ہوئے۔ تسلی دے رہے تھے۔

''اب بس بھی کرو یار کیوں ابو کو پریشان کر رہی ہو۔ ہریرہ کی شکل بھی رونے والی ہو رہی ہے۔''

میسم کی آواز پر وہ چونکی۔ سر اُٹھایا۔ پلو سے چہرہ صاف کیا۔ ایک شرمندہ سی نظر اپنے گرد ڈالی۔ سب ہی کھڑے تھے۔ لُبنیٰ بولی۔۔

''آپ تعارف کروا رہی ہیں یا مجھے گیس کرنا پڑے گا؟'' وہ مسکراتے ہوئے ایک طرف ہوئی۔

''یہ میرے ابو جی ہیں۔'' خدیجہ تو بسم اللہ کر کے آگے آئیں۔

''میں صدقے جاؤں آج تو میرا بھائی اپنی بہن کے گھر آیا ہے۔ کب کے آئے ہیں۔ طلال آپ ہم لوگوں کو فون کر دیتے۔ بھائی صاحب کی کوئی خدمت بھی کی یا ویسے ہی بھوکا پیاسا بٹھایا ہوا ہے۔''

ملک عالم حیات کے اندر تک سکون کی لہر دوڑ گئی۔ خدیجہ کی باتوں سے اُنکو یقین ہو گیا۔ اُن کی بیٹی اچھے قدر دان لوگوں میں تھی۔ طلال کہ بجائے میسم نے جواب دیا۔

''امی میں نے لنچ باہر سے ہی منگوا لیا تھا۔ اب پتا نہیں ابو کو پسند آیا کہ نہیں۔ البتہ ابھی چائے کا ٹائم ہے۔ آپ جو کر سکتی ہیں کر لیں۔''

ملیحہ لُبنیٰ نے سلام دُعا لیکر اپنے کمرے میں سامان رکھنے چلی گئیں۔ خدیجہ کچن کو آئیں۔ رُباب کو دیکھتے ہی ہریرہ نے شور مچا دیا تھا۔ جس پر اُس نے اُسکو میسم کی گود سے لے لیا۔

''بڑے بے وفا ہو یار۔۔۔ صبح سے مجھے اپنا مداری بنایا ہوا تھا۔ اب ماں کو دیکھتے ہی اُس کے ہو گئے ہو۔''

اُس کی بات پر سبھی مُسکرائے۔ عالم حیات نے غور سے اپنے پاس بیٹھی بیٹی کا جائزہ لیا۔ جس کے چہرے پر شرمیلی سی مُسکراہٹ تھی۔

''امی کا کیا حال ہے؟ عبداللہ کو بھی ساتھ لے آتے۔۔۔''

''جس دن کا میسم گھر پہ ہریرہ کا بتا کر آیا ہے۔ تمہاری ماں کو بس دن رات ایک ہی بات آتی ہے۔ جا کر

دونوں کو لیکر آؤ۔۔۔ میں کام میں تھوڑا مصروف رہا۔ کچھ وہ تمہارے کپڑے بنا رہی تھی۔ آج میرے پاس وقت تھا۔ میں نے کہا چلو آج ہریرہ کو اُسکی نانی کی طرف سے بنائے تحفے دئیے ہی آؤں۔'' سب کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میسم ناروال کب گیا۔

''تحفوں کی کیا ضرورت تھی۔ بھائی صاحب آپ آ گئے ہیں۔ ہمارے لیئے تو یہی سب سے بڑا تحفہ ہے۔''

خدیجہ کچن میں رکھی مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکریاں دیکھ کر حیران پریشان ہو گئی تھیں۔ اتنی زیادہ مٹھائی اور فروٹ۔۔۔ اُسکے علاوہ دو بڑے بیگ باہر ہال میں رکھے ہوئے تھے۔ جس میں یقیناً کپڑے وغیرہ تھے۔

خدیجہ نے چائے پر اچھا خاصہ اہتمام کیا۔ رُباب کا تو دل کر رہا تھا۔ بس ابو کے سامنے بیٹھ کر اُنکا خوبصورت چہرہ دیکھتی رہے۔ آج وہ اتنے عرصے بعد پہلی دفعہ خوش تھی۔

چائے کے بعد عالم حیات نے اجازت طلب کی۔۔۔

''میں تو تم دونوں ماں بیٹے کو ساتھ لیکر جانے کی نیت سے آیا تھا۔ مگر اب ملیحہ بیٹی کی منگنی دیکھ لو۔ اُسکے بعد عبداللہ کو بھیجوں گا۔''

''ایسا کریں آج آپ ادھر ہی رُکیں۔ گھر پر عبداللہ کو فون کریں۔ امی کو لیکر آ جائے۔'' میسم کے مشورے پر وہ مُسکرائے۔

''نہیں یار عبداللہ آج ٹرپ کے ساتھ مری گیا ہوا ہے۔ تمہاری ماں بھی گھر پر اکیلی ہے۔ اسلیے آج جانے دو۔ اگلی دفعہ آیا تو رُکوں گا۔''

رباب کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ ابو واپس جائیں۔ سبھی اُنکو باہر تک چھوڑنے آئے۔ مگر رُباب اور میسم گاڑی تک ساتھ آئے۔

''کل ہم انتظار کریں گے۔ امی کو ضرور بھیج دیجیے گا۔۔۔'' اُس نے کہا تو وہ دھیمے سے مُسکراتے ہوئے۔ اُس کے سر پہ پیار دیکر مُڑے۔ آنکھوں میں نمی تھی۔

جس راستے سے باپ کی گاڑی نکل کر واپسی کے سفر پر گئی تھی۔ اُس راستے پہ رُباب کا دل بچھا ہوا تھا۔ بہت ساری باتیں پوچھنے کی چاہت دل میں ہی رہ گئی۔ دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی۔ کاش میرے گھر کی منڈیر پر کوا

صبح ہی آکر بتا جاتا کہ رُباب آج تیری قسمت بدلنے والی ہے۔آج تیرا باپ تجھ سے ملنے آنے والا ہے تو بھلا وہ شاپنگ کے لیے کیوں جاتی؟ بلکہ وہ راہوں کو سجاتی' گیت گاتی۔۔۔ناچتی۔۔۔گاڑی کب کی جا چکی تھی۔

اس وقت دل بڑا ہی ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔سب اندر چلے گئے تھے۔حتیٰ کہ میسم جو اُسکے برابر میں ہی موجود تھا،اب وہاں نہیں تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی۔اندر کو آگئی۔ہال میں طلال اپنے پوتے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔لُبنیٰ اور ملی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔وہ خدیجہ کی آواز سے اُنکی کچن میں موجودگی کا اندازہ لگاتی اُدھر ہی آگئی۔

''فہمیدہ یہ دونوں بیگ لیجا کر ڈاکٹر شمسہ کے گھر دے آؤ۔اگر وہ پوچھیں مٹھائی اور پھل کس خوشی میں ہیں؟''فہمیدہ خدیجہ کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔۔۔

''میں بتاؤنگی جی کہ ہریرہ بابا کے نانا ابو آئے تھے۔وہی یہ سب لیکر آئے ہیں۔''خدیجہ نے مُسکراتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا۔ساتھ مزید بیگ تیار کرتی جا رہی تھیں۔

''اُدھر سے ہو آؤ۔تو یہ سب اپنی گلی میں جتنے گھر ہیں۔اُدھر دے آنا۔باقی کل دیکھیں گے۔''

''جی باجی میں جانے سے پہلے یہ کام کر کے ہی جاؤنگی۔''فہمیدہ بیگ لیکر نکل رہی تھی۔جب رُباب کو دیکھ کر رُک گئی۔''مبارک ہو چھوٹی باجی خیر سے آج پہلی دفعہ آپکے میکے سے کوئی آیا ہے اور پھر خیر سے ہریرہ کی پیدائش پر بڑی باجی نے تو مجھے سوٹ دیا ہی تھا۔پر آپکی طرف سے کوئی چیز نہیں ملی۔اب میں نے آپ سے دو سوٹ لینے ہیں۔''

''خیر مبارک کیوں نہیں،دو چھوڑ تین سوٹ لے لو۔۔ کل لے جانا۔''فہمیدہ خوش ہو کر وہاں سے نکل گئی۔

رباب آگے آئی خدیجہ کے ہاتھ تھام کر چوم لیے۔

''ارے آج اچانک ماں پہ بڑا پیار آرہا ہے؟''وہ چونک کر مُسکراتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

''امی آپ بہت اچھی ہیں۔آج میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔جن سے میں آپکی تعریف کر سکوں۔یا شکریہ ہی بول سکوں۔آج ایک بات ثابت ہوگئی ہے۔آپ کے بیٹے کی شخصیت میں موجود ساری اچھائیاں اُنہوں نے اپنے ماں باپ سے ہی پائی ہیں۔آج میرے ابو کے ساتھ آپ جس محبت اور مان کے ساتھ پیش آئی

ہیں۔ میں عمر بھر کے لیے آپکی احسان مند ہوگئی ہوں۔ کسی نے اُنکو اُنکے ماضی کے سلوک کے بارے میں نہیں جتایا۔ کسی نے کوئی تلخ بات نہیں کی۔ کچھ اُلٹا سیدھا جتایا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے چہرے کی خوشی دیکھ کر لگ رہا تھا۔ جیسے آپکے سگے بھائی آئے ہوں۔ پھر آپ نے اُنکو سوٹ چادر' مٹھائی اور نہ جانے کیا کچھ دیکر جانے دیا ہے۔ ایسی چاہت تو وہاں نظر آتی ہے نا جہاں بڑے قریبی تعلق ہوں۔ آپس میں بڑی محبت ہو۔ کسی زبردستی کی بنائی گئی بہو کے گھر سے کوئی آئے۔ اُن کے ساتھ کب کوئی اتنا اعلیٰ سلوک کرتا ہے۔''

''اچھا بس کرو اب ایویں تعریفیں کر کر کے شرمندہ کر رہی ہو۔ اُن کی محبت بھی تو دیکھو سارے گھر والوں کے تین تین جوڑے اُٹھا لائے ہیں۔ لو بھلا بتاؤ اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''امی یہ سب تو رواج ہے۔ نواسے کی خوشی میں لائے ہیں۔''

''اللہ میرے پوتے کو لمبی نیک زندگی دے۔ جس کی وجہ سے آج نانا گھر تک آگیا ہے۔ اور اب تم نے مجھے امی بُلایا ہے۔ آنٹی کہتی تھیں۔ تو یوں معلوم ہوتا جیسے کسی غیر سے مخاطب ہو۔ اب میری بیٹی لگی ہو۔'' اُنہوں نے اُسکو ساتھ لگا کر پیار کیا۔

''سدا خوش و آباد رہو۔ ہماری تو خوشی تم لوگوں کی خوشی میں ہی ہے۔''

''آپ چھوڑیں یہ کام خود ہی فہمیدہ کر دے گی۔ چلیں ہم جا کر ملیحہ کے سُسرال والوں کے کپڑے پیک کرتے ہیں۔ کل تو وقت نہیں ملے گا۔''

''ہاں تم چلو شروع کرو جا کر میں بس یہ سب سمیٹ کر آتی ہوں۔''

وہ اُنکے کہنے پر کچن سے نکل آئی۔ ملی کے کمرے کی جانب جاتے پیر رک گئے۔ وجہ تیزی سے سیڑھیاں اُترتا نک سک سا تیار میسم تھا۔ اُس کے قریب آنے سے پہلے اُسکی خوشبو آئی۔ وہ پاس آیا اور اُسی طرح لاتعلقی سے اپنے فون کی سکرین کو دیکھتا ہوا بیرونی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جب ایک دم اُس نے مخاطب کیا۔۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

وہ تھما۔ نظریں فون کی سکرین سے اُٹھیں فون جیب میں رکھتے ہوئے پلٹا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔

"بیگم صاحبہ نے مجھ سے کچھ کہا؟" رُباب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میسم کی آنکھوں میں اتنی بیگانگی دیکھ کر رُباب کو یوں محسوس ہوا۔ اپنے شوہر کو نہیں بلکہ کسی راہ جاتے کو مخاطب کر بیٹھی ہو۔

"آ۔۔۔ آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"جی اپنی ایک دوست کے ساتھ ڈنر پر جا رہا ہوں۔ تفتیش پوری ہو گئی ہو تو کیا اب میں جا سکتا ہوں؟"

"مجھے آپ سے کہنا تھا۔۔۔"

"ہاں بھئی جانتا ہوں کہ کیا کہنا تھا۔ دیکھو یہ عدالتی کام یوں فٹ سے تو ہو نہیں جاتے۔ وقت لگتا ہے۔ مگر پھر بھی بہت جلد میں تمہاری آزادی کا پروانہ تمہیں دے دونگا۔ اب تو تمہارے ماں باپ کے ساتھ تعلقات بھی بحال ہو گئے ہیں۔ تمہیں تو اور بھی جلدی ہو گی۔ جلدی سے اس گھر سے جان چھوٹے اور تم اُن کے پاس جاؤ۔ پر ایک بات یاد رکھنا تم اکیلی جاؤ گی۔ ہریرہ نہیں جائے گا۔" اُس کی حیران سہمی ہوئی آنکھوں میں سرد نگاہیں ڈال کر اپنی بات پوری کی اور نکل گیا۔

رُباب کو اپنے گرد سناٹا اُترتا ہوا محسوس ہوا۔ اب جب وہ خوش تھی کہ ساری چیزیں اپنے اصل مقام پر آ گئیں ہیں۔ زندگی پُرسکون ہو جائے گی۔ پر یہ کیا ہو گیا۔ میسم کی باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے۔ زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ وہ اتنی حیران تھی کہ آنکھ میں ایک آنسو تک نہ آ سکا۔

باتھ روم میں جا کر بھی کتنی دیر تک ٹب کی دیوار پہ بیٹھی خالی الذہنی سے فرش کو دیکھتی رہی۔ باہر ہریرہ کو بھوک لگی تھی۔ لُبنٰی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ منہ دھو کر باہر نکل آئی۔ چہرے پر مصنوعی مُسکراہٹ سجا کر سب کے درمیان بیٹھی۔ جو کپڑے ملیحہ کی سُسرال کو دینے تھے۔ لُبنٰی کے ساتھ مل کر اُنہیں اچھے سے پیک کیا۔ پھر سوٹ کیس میں رکھے۔ جو سونے کے زیورات ڈالیجانے تھے۔ اُنہیں اکٹھا ایک جگہ کیا۔ خدیجہ کے ہینڈ بیگ میں رکھ کر اُنکے لاکر میں رکھ دیئے۔

سب کے کل پہننے والے کپڑے سیٹ کئے۔ ڈنر بھی خدیجہ کے کمرے میں ہی کیا۔ وہ لوگ ایک بجے تک فارغ ہوئیں۔ ہریرہ پیٹ پوجا کر کے طلال احمد کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو جاتا۔ وہ سو گئے تو ملیحہ نے سنبھال لیا۔ وہ بھی سو گئی تو وہ خدیجہ کی گود میں آ گیا۔ مگر اب اُسکو بھی نیند آ گئی تھی۔ آنکھیں مسلتے ہوئے رو رہا تھا۔

”بس بچے اب اس معصوم کو پکڑ لو۔ جو کام رہ گیا ہے۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔ تم جاؤ اب آرام کرو اور ذرا میسم کو فون کر کے پتا کرو ابھی تک آیا کیوں نہیں۔“ طلال احمد پہلے ہی گیسٹ روم میں سونے کے لیے جا چکے تھے۔ رُباب ہریرہ کو لیکر وہیں خدیجہ کے بستر میں گھس گئی۔ لُبنیٰ کو حکم دیا۔

”لُبو جاؤ ذرا اوپر سے ہریرہ کی نیپی اور کپڑے تو لا دو۔“

لُبنیٰ نے لا دیئے۔ ہریرہ کو پرسکون کر کے وہیں لیٹ گئی۔ خدیجہ اور لُبنیٰ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مگر جونہی نیند نے آغوش میں لیا ساری آوازیں فکریں کہیں دور دیس چلی گئیں۔

☆......☆......☆

رات پونے چار کا وقت تھا جب وہ گھر واپس آیا۔

سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ لائٹ آن کی۔ بیڈ پر امی کو سوتے دیکھ کر حیران تو ہوا مگر پریشان بھی جو سوال سب سے پہلے ذہن میں آیا۔ وہ یہی تھا کہیں وہ پھر تو کہیں نہیں چلی گئی۔

”ماں۔۔۔“

”ہوں۔۔۔“

”ہریرہ کدھر ہے؟“ خدیجہ نے آنکھ کھول کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔۔۔

”شاباش ہے بیٹے۔ گھر واپس آنے کا یہ بڑا ہی اچھا وقت ہے۔ گئے کہاں تھے؟“ وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اُن کے برابر لیٹ گیا۔

”ایک ضروری کام سے گیا تھا۔“

”کمال ہے آدھی رات کو کونسا ضروری کام ہوتا ہے۔ کھانا کھاؤ گے؟“

اس وقت بس سونا چاہتا ہوں۔ پر آپ نے بتایا نہیں ہریرہ کدھر ہے؟“

”ہریرہ یا اُسکی ماں۔۔۔“ میسم کو ہنسی آ گئی۔

”اُسکی ماں سے مجھے کیا لینا۔ مجھے بس ہریرہ سے غرض ہے۔“

”ہاں ہاں جانتی ہوں۔ نیچے میرے کمرے میں سو رہی ہے۔ جاؤ جا کر تھوڑی نیند لے لو۔“

”کوئی خاص وجہ جو وہ آج اُدھر سوئی ہے؟“

”تم جو گھر نہیں تھے۔ اُس کا بھی تمہارے بغیر اپنے کمرے میں دل نہیں لگتا ہوگا۔“

میسم کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”ماں وہ احتجاجاً اُدھر سوئی ہے۔ میری محبت میں نہیں۔“

”کیسا احتجاج۔۔۔؟“

”کسی اور وقت بتاؤں گا۔ ابھی تو آپ آرام کریں۔ سوری میں نے آپ کی نیند خراب کی۔“

اُنھوں نے اُسکی پیشانی چومی اور جانے کا اشارہ دے کر آنکھیں بند کر لیں۔

بوٹ جرابیں اُتار کر چپل پہنی جیکٹ اُتار کر وہیں بیڈ پر پھینکی۔ لائٹ کے بعد اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا نیچے آ گیا۔ امی کے کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ ابھی دروازہ وا ہی کیا تھا۔ ہریرہ کی گوں گوں سُنائی دی۔ مین لائٹ آن کی، سامنے بیڈ پر ہریرہ پیٹ کے بل ہو کر سر اُٹھا اُٹھا کر آوازیں نکال کر ماں کو متوجہ کرنے کی کوششوں میں تھا۔ رُباب بے خبر سو رہی تھی۔ میسم نے لائٹ تھوڑی ڈم کی اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا۔ اپنا موبائل اور والٹ نکال کر سائیڈ دراز پہ رکھا۔ ہاتھ بڑھا کر ہریرہ کو اُٹھا کر دو تین اکٹھے بوسے لیے۔

”ہیلو۔۔۔ کیا آپ میرے استقبال میں جاگ رہے ہو؟“ ہریرہ کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھ کر سرگوشی میں پوچھا جواب میں ہریرہ نے اُسکے بال دونوں مُٹھیوں میں جکڑ لیے۔

”اچھا یار مانا کہ لیٹ آیا ہوں۔ پر اب میرے بال اُتار کر تو سزا نہ دو۔ پہلے ہی میری بیوی مجھے گھاس نہیں ڈالتی گنجا کر دو گے تو باہر کی عورتیں بھی نہیں پوچھیں گی۔“

اب ہریرہ اُس کے گال کو کھانے کے چکر میں زور زور سے اپنے بغیر دانتوں والے منہ سے دندی کاٹ رہا تھا۔

”میرا بھوکا شیر۔۔۔“ وہ بیڈ سائیڈ پر رکھے کور میں سے فیڈر نکال کر ہریرہ کو دیتے ہوئے کُرسی پر بیٹھ گیا۔

ہریرہ آنکھیں مٹکا مٹکا کر اُسکو دیکھتے ہوئے فیڈر پی رہا تھا اور میسم گہری سوچ میں ڈوبا کبھی کبھی ایک نظر رُباب کے بستر میں سے جھانکتے بالوں کو دیکھ لیتا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے دونوں باپ بیٹا سو گئے۔

رُباب عادت کے مطابق اُٹھی۔ ہریرہ کو غائب پا کر ہڑبڑا کر بستر سے نکلنے کو تھی۔ جب نظر میسم پر پڑی۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھے۔ سینے پر ہریرہ کو لٹائے دونوں ہاتھوں میں اُس کو تھامے سر ایک طرف کو لڑھکا ہوا تھا اور وہ سو رہا تھا۔ اپنے بالوں کا جوڑا بنا کر بازو پہ پہنا بینڈ ڈالا۔ دوپٹہ اوڑھ کر اُٹھی۔ پیروں میں چپل ڈالے۔ میسم جیسے قد کاٹھ والے آدمی کی گود میں چھوٹا سا ہریرہ اور بھی چھوٹا لگتا۔ ابھی بھی وہ کسی خرگوش کی طرح باپ سے چمٹ کر سو رہا تھا۔ رُباب کو لگا دنیا میں اس سے زیادہ حسین منظر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ دراز پہ رکھا میسم کا فون اُٹھا کر کئی تصویریں لے ڈالیں۔ فلیش کی لائٹ نے میسم کی نیند توڑی تھی۔ رباب نے فون واپس رکھا اور آگے بڑھ کر ہریرہ کو اُٹھا کر بیڈ پر ڈال دیا۔ میسم خود ہی آکر بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔

☆......☆......☆

سارے فنکشن کا انتظام لاجواب ہوا تھا۔ مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ گارڈن میں بڑا سا فورٹ ٹینٹ لگا کر ہال بنایا گیا تھا۔ جس میں بہت سارے گول میز رکھے گئے تھے۔ جن کی کُرسیوں پر سفید کور چڑھا کر بیک پر سلک کے کپڑے سے بڑے بڑے لائٹ پنک بو بنائے گئے تھے۔ ہر میز پر سفید للّی' پنک ٹیولپس اور مختلف قسم کے ہرے پتوں سے ڈیکوریشن کی گئی تھی۔

سادہ سا تھیم مگر بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ سارے سٹیج پر بھی انہی تین رنگوں سے سجاوٹ ہوئی تھی۔ درمیان میں ایک کریم سیٹی رکھی گئی تھی۔ جس پر صرف لڑکا لڑکی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

اُن کی طرف سے آنے والے سب مہمان پہنچ چکے تھے۔ لڑکے گیٹ سے باہر کھڑے ہو کر لڑکے والوں کے پہنچنے کے انتظار میں تھے۔ میسم کی کلاس کے سبھی لڑکے لڑکیاں آئے ہوئے تھے۔ ملیحہ کی طرف سے ملیحہ نے صرف خاص خاص دوستوں کو بُلایا ہوا تھا۔ وہ ساری ایک میز پر گروپ کی شکل میں بیٹھی اشتیاق سے آتے جاتے افراد کو دیکھ رہی تھیں۔

طلال احمد نے سفید کرنڈی کے سوٹ پر کالی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ اُن کے پہلو میں کھڑی خدیجہ لائٹ سی گرین رنگ پہنے ہوئے بلا کی گریس فل لگ رہی تھیں۔

مگر سب میں نمایاں وہ تھا۔ لڑکی کا بھائی، میسم طلال۔۔۔ سلور گرے ٹاکسیڈو کے ساتھ ٹی پنک ٹائی خوبصورتی سے سیٹ کیئے گئے بال۔ براؤن ڈریس جوتے، چہرے پر بُردباری، ذمہ داری سے سب کو ملتا، ویلکم

کرتا۔ ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے تو تھا ہی مگر اس بات سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس وقت کئی نگاہوں کا مرکز ہے۔ گیٹ پر آکر کھڑا ہوا۔ بے چینی سے ایک نگاہ اپنی رسٹ واچ پہ ڈالی۔ جسکا اُسکی نگاہوں کو انتظار تھا۔ وہ ملیحہ کے ساتھ پالر تیار ہونے گئی ہوئی تھی۔ تبھی اُسکی گاڑی آکر رُکی جسے بلال چلا رہا تھا۔ پیچھے مہمانوں کی گاڑیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ اُس نے بلال کو اشارہ دیا کہ وہ گاڑی سیدھی پورچ میں لے جائے۔

پہلے اگلی پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر نکلنے والی لُبنیٰ تھی۔ کالے سوٹ میں مناسب میک اپ کے ساتھ بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ لُبنیٰ نے پچھلا دروازہ کھول کر اُسے باہر نکلنے میں مدد کی۔ میسم کی نگاہیں اُدھر ہی تھیں۔ نکلنے والی ملیحہ تھی۔ کریم رنگ کے روایتی شرارہ سوٹ میں وائٹ گولڈ جیولری میں پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بے اختیار دو قدم آگے آیا۔ بہن کو ساتھ لگا کر دُعا دی۔

سامنے نظر اُٹھی تو جُھکنا بھول گئی۔ پہلے تو حیرانی سے ماتھے پہ تیوری لیکر دیکھا آیا وہی ہے یا کسی اور پر اُسکا دھوکا کھا رہا ہوں۔ ہریرہ کو بلال کے حوالے کرتی وہ یقیناً رُباب میسم ہی تھی۔ لمحہ بھر کو تو منہ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔

ٹی پنک گولڈن بنارسی ساڑھی جسکے ٹی پنک پلو کا بارڈر بھی ٹی پنک گولڈن ہی تھا گولڈن ہی پھول بنے ہوئے تھے۔ کھلے بالوں میں موتیے کے پھول لگا کر ہیر سٹائل بنایا گیا تھا۔ کُندن کا زیور پنک رنگ کی ہیل پہنے وہ اپنے روزمرہ کے انداز سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ ساڑھی میں اُسکا مناسب فیگر میسم طلال کے دل پر نہ جانے کیسی کیسی قیامتیں ڈھا گیا۔ وہ جان بھی نہ پائی۔ اس سے پہلے کہ رُباب اُسکی طرف متوجہ ہوتی وہ اپنے دل کو سمجھا بجھا کر نظر پھیر چکا تھا۔ ویسے بھی آج صبح سے دونوں نے ایک دفعہ بھی ایک دوسرے کو مخاطب نہ کیا تھا۔ وہ اسی ایک بات پر یقین رکھے ہوئے تھی کہ کل رات وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ ڈنر پر تھا۔ جو آج بھی یقیناً پارٹی میں شامل ہونے والی تھی اور اُس مہ جبیں کا رُباب کو بے چینی سے انتظار تھا۔

لُبنیٰ نے اُسکے ہاتھ میں گجروں والی ٹوکری دی۔ جس میں مہمان خواتین کو استقبال میں دینے کے لیے موتیے کے گجرے تھے۔ میسم، طلال احمد، بلال اور اُسکے والد کے علاوہ میسم کے چاروں جگری یار مردوں کے استقبال کو آگے بڑھے۔ خواتین والی سائیڈ پر رُباب اور لُبنیٰ گجرے دیئے رہی تھیں۔

سارے مہمان ایک ایک کر کے اندر چلے گئے۔ وہ گجروں کی خالی ٹوکری ملازمہ کو تھما کر اندر کی جانب

بڑھنے والی تھی۔ جب کسی کی گرفت نے اُسکے قدم روک دیئے۔ اُسکی چوڑیوں سے بھری کلائی میسم کے ہاتھ میں تھی۔ اسی طرح تھامے وہ اُسکو ایک سائیڈ پر لے گیا۔ ہیل پہننے کے باوجود وہ اُسکی کنپٹی تک آ رہی تھی۔ ایک نظر میسم پر ڈالنے کے بعد اُسکی جرات نہ ہوئی دوبارہ نظر بھر کر اُس کو دیکھ پاتی۔ دل پسلیاں توڑ کر بھاگنے کے پروگرام میں لگ رہا تھا۔

"آپ کو کچھ کہنا تھا۔ تو ادھر ہی کہہ لیتے یوں کھینچ کر لانے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ رات والی ناراضگی دیکھاتے ہوئے بولی۔ میسم نے ناک کے ذریعے گہرا سانس اندر کو کھینچ کر اُسکی خوشبو کو محسوس کیا۔

"آج اس لباس کے انتخاب کی کیا وجہ ہے؟"

"وجہ میری مرضی ہے۔ ساڑھی میرا پسندیدہ لباس ہے۔ اور مجھے ساڑھی پہننے کا ہمیشہ سے بڑا شوق رہا ہے۔ "میسم نے منہ بناتے ہوئے بھنویں اچکائے۔۔۔

"آئی سی۔۔۔ اگر ایسا ہے۔ تو بیگم صاحبہ اپنے پلو کو اتنی احتیاط سے کیوں لپیٹ رکھا ہے۔ ریلیکس کرو۔ میں اس لیے کہہ رہا ہوں۔ آج میں نے اپنی ایک خاص دوست کو بھی یہاں بُلایا ہوا ہے۔ کہیں اُسکے سامنے میری سبکی نہ کروا دینا۔ اجازت ہو تو یہ گجرے پہنا دوں۔ شاید ٹوکری میں بچ گئے تھے۔ میں نے سوچا ایویں خراب نہ ہو جائیں۔"

رُباب نے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ دل جل کر خاک ہو گیا۔ بمشکل اپنے اندر اُٹھتے غم کو نظرانداز کرتے ہوئے بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔

"آپ مجھے اپنی کسی اہم یا غیر اہم مہمان سے مت ملوایئے گا اور یہ گجرے بھی اُسی کو پہنایئے گا۔ مجھ پر یہ احسان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر تیزی سے نکل گئی۔ وہ نچلا لب چباتے ہوئے رُباب کی پُشت کو گھور کر رہ گیا۔

رُباب کے گھر سے امی اور عبداللہ آئے تھے۔ وہ وقتی طور پر سب بھول کر ابھی کے مکمل لمحے میں زندہ ہو گئی۔

اسکے بعد جو بیچ کا جھٹکا آنے والا تھا۔ اُسکی جانب سے آنکھیں بند کر لیں۔ رسم سے پہلے سب نے کھانا کھایا۔ پھر ملیحہ اور ریحان نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی۔

اُسکے بعد سب نے اپنی طرف سے دونوں کو تحفے تحائف دیئے۔فیصل ہاتھ میں پکڑی کولا کی بوتل میں سے گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔نظریں سامنے والے میز پہ موجود حسینہ پر جمی ہوئیں تھیں۔جو پوری طرح اپنے ساتھی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔لُبنیٰ کب کی یہ سین دیکھ رہی تھی۔ایک عدد کولا کی بوتل لیکر فیصل کے ساتھ والی کُرسی پہ آکر بیٹھ گئی۔فیصل کا دھیان اُدھر ہوتا تب نا۔۔۔

اُس نے فیصل کے ہاتھ سے خالی بوتل لیکر بھری ہوئی تھما دی۔

''ویسے دیکھنے میں تو یہی لگ رہا ہے کہ انگور کھٹے ہیں۔'' جواب میں فیصل نے گہرا سانس خارج کیا۔

''کھٹے کہاں جنابِ والا نرا سرکہ ہیں۔''

''بس قسمت قسمت کی بات ہے۔اُس انگور کی قسمت میں وہی لنگور ہے۔لہذا آپ کولا کو شراب سمجھ کر پینا بند کردیں اور شُکر کریں جانو نہیں تو نہ سہی ماموں تو بن ہی جائیں گے۔''

''بی بی آپ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے آئیں ہیں یا کوئی اور کام بھی ہے؟'' فیصل نے مصنوعی غُصے سے گھورتے ہوئے اُسکو میچی آنکھوں سے دیکھا۔

''ہاں کام تو بڑا اہم ہے۔پتا نہیں آپ کرتے ہیں یا نہیں۔''

''اچھی تنخواہ ملے تو کر ہی لونگا۔ویسے بھی ابھی میں بے روزگار ہی ہوں۔ورنہ میں ادھر بیٹھنے کی بجائے سحرش کے پہلو میں بیٹھا ہوتا۔''

'' اوہ آئی سی تو اس فتنے کا نام سحرش ہے۔خیر آپ سمجھ لیں آپ کی لاٹری نکل آئی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ میرے ابا کو ایک عدد داماد چاہیے۔پوسٹ اچھی ہے۔فیوچر ایکدم برائٹ ،مزید ترقی کے چانسز بھی ہیں۔''

''داماد کے عہدے میں بھلا کہاں سے ترقی کے چانسز نکلتے ہیں؟''

''اب ساری عمر ایک شوہر اور داماد تو نہیں رہیں گے نا۔آخر ایک دن ابا بھی بنیں گے۔''

فیصل کو اچھو لگ گیا۔

بوتل واپس میز پر ڈالی۔۔۔ایک نظر سر تا پا لُبنیٰ کو دیکھا۔جو اپنی بوتل سے گھونٹ لیتے ہوئے سامنے سٹیج پر بیٹھے جوڑے کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ وہی ہیں ناں میسم کہ کراچی والی کزن آبدوز۔۔۔جو کھاتی بہت ہے۔منہ پھٹ بھی بڑی ہے۔جسکو شاپنگ سے عشق ہے۔"

"ارےئے واہ۔۔۔میں تو آپ کو ایویں لاپرواہ سمجھتی تھی۔آپ نے تو بڑی ریسرچ کی ہوئی ہے۔"

"ہاں جی خطروں سے بچ کر چلتا ہوں۔اسی لیے خود کو اپ ڈیٹ رکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"چلیں کوئی نہیں آپ مجھے بزدل بھی قبول ہیں۔"

"اسکو بزدلی نہیں شرافت کہتے ہیں۔"

"کہتے ہونگے۔۔۔کیا آپ کو میرا پرپوزل قبول ہے۔یا آپ کے گھر والوں سے بات کرنی پڑے گی۔"

فیصل کے طوطے اُڑ گئے۔

"آپ میری طرف سے معذرت قبول کریں۔دوست کی بہن میری بہن ہے۔"

"کمینے میں تمہارے دوست کی بہن نہیں ہوں۔اب بہن بولا نا تو رکھ کے چماٹ ماروں گی۔"

بُری نظروں سے گھورتی وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔فیصل نے اگلے لمحے ہی جا میسم کو پکڑا اور سب اُسکے گوش گُزار کر دیا۔میسم نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"یار مجھے سمجھ نہیں آ رہی اسکو تمہاری بھنڈی جیسی شکل میں ایسا کیا ہیرو نظر آ گیا ہے۔"

"کیا مطلب تو پہلے سے جانتا ہے؟"

"جی کب سے وہ مجھ سے باتوں باتوں میں تمہارا ذکر کرتی آ رہی ہے۔"

"اور تُو نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟۔۔۔پہلی دفعہ کسی لڑکی نے تیرے بھائی کے لیے اچھے الفاظ استعمال کئے اور سالے تو نے مجھے بتانا بھی گوارا نہ کیا۔ڈوب مر کہیں۔۔۔مجھے اب سنجیدگی سے جاب ڈھونڈنی پڑے گی۔آخر امی کو کراچی رشتہ لینے بھیجنا ہے۔"

"وہ چلتا پھرتا خرچہ ہے۔اُسے بھول جا۔۔۔"

"میں کس کس کو بھولوں بس اب سے یاد رکھنا ہے۔" میسم نے تاسف سے سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

فوٹوگرافی کا طویل سلسلہ جب تک ختم ہوا، زیادہ تر مہمان رخصت ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اپنے قریبی دوست احباب ہی بچے تھے۔ لڑکے والے جب چلے گئے اُسکے بعد خالص گھریلوں سی تقریب کا آغاز میسم کے دوستوں کی جانب سے ہوا۔ سٹیج کے سامنے قالین پر ڈھولک رکھ کر بیٹھ گئے۔ ایک کے ہاتھ میں گٹار تھا۔

لڑکوں نے ایک کے بعد ایک پنجابی نمبر گا کر ساری محفل لوٹ لی۔ امی لوگ اُن پر سے پیسے وار کر اُنہی کو دے رہی تھیں۔ سب کا دھیان ڈھولکی اور گیتوں کی جانب تھا۔ سوائے میسم اور رُباب کے۔ میسم کی ساری توجہ اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی سُرخ فراک میں چمکتی حسینہ پر تھی۔ جو بات بے بات قہقہے لگا رہی تھی۔ چلبلی سی لڑکی بلاشبہ پریوں جیسی صورت والی تھی۔ رُباب اُسکے چہرے کو کیا دیکھتی نظریں اُسکی نازک کلائی پر موجود گجروں سے اوپر اُٹھتی ہی نہ تھیں۔ اندر ہی اندر نہ جانے کتنے آنسو بہتے گئے۔

تو میسم طلال تم نے فیصلہ کر ہی لیا۔ پر کیا اب ایسے فیصلے کی گنجائش تھی؟

ہریرہ اپنی نانی کی گود میں سویا ہوا تھا۔ جو سارے ہنگامے سے بے نیاز بس اپنے نواسے کا چہرہ پڑھ رہی تھیں۔ عبداللہ کو بلال نے نہ جانے کن قصے کہانیوں میں مصروف کیا ہوا تھا۔ زبردست ہوٹنگ ہو رہی تھی۔ وہ چونک کر اپنی سوچوں سے نکلی۔ گٹار میسم کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ سٹیج کی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ جیکٹ اُتار کر کف فولڈ کر لیے تھے۔ اُس نے گٹار کا پہلا نوٹ ہی لیا تو تالیاں گونجیں۔ پہلے نوٹ نے ہی بتا دیا۔ وہ اناڑی نہیں تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر بڑی سنجیدگی سے ایک ایک تار چھیڑتا چلا گیا۔ ایک بیرا آ کر اُس کے سامنے مائیک فٹ کر گیا۔ اُس کے سبھی دوستوں کے موبائل اُنکے ہاتھوں میں تھے۔ اور اُنکی سکرین پر میسم طلال نظر آ رہا تھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر کیمروں کے چمکتے فلش دیکھے اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"کمینو۔۔۔ خبردار جو تم لوگوں نے مجھے میری ہی ویڈیو بنا کر سینڈ کی۔"

فیصل بولا۔ "نہیں چڑیا گھر والوں کو بھیجنی ہے۔ تاکہ اُنکو علم ہو اُنکے یہاں سے بھاگا بندر ادھر سنگر بن کر داد لے رہا ہے۔"

”شرم کرو۔آج ادھر میرے سُسر الی بھی موجود ہیں۔خیر یہ گانا میں آج شام کی سب سے حسین لڑکی کو ڈیڈی کیٹ کرنا چاہتا ہوں۔“ تالیاں بجائی گئیں۔جب وہ بول رہا تھا رُباب نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔وہ اُسکی ہی جانب دیکھ رہا تھا۔مگر جب رُباب نے نظر اُٹھائی وہ نگاہ بدل گیا۔جو جو یہ کھیل ملاحظہ کر رہے تھے۔اُنکا قہقہہ گونجا۔باقی سب حیران ہی ہو رہے تھے کہ آخر اتنی پیاری بیوی ہونے کے باوجود میسم ایمان نامی لڑکی پر لٹو کیوں ہو رہا ہے۔شہباز تو باقاعدہ اُسکو گھور رہا تھا۔فیصل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میسم کے سامنے چڑھ کہ بیٹھی ایمان کو اُٹھا کر کالے پانیوں میں پھینک آتا۔بے چارے پریشان ہو کر بار بار رُباب کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔جس کے چہرے پر دھیمی سی رسمی مُسکراہٹ تھی۔دل و دماغ پر جو بیت رہی تھی۔وہ چہرے سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

میسم نے گانا شروع کیا تو ساری خاموشی چھا گئی۔بھاری پُر اثر لہجہ سُر میں آواز نظریں جُھکائے گا رہا تھا۔

اور رُباب کو لگا سینے میں دھڑکتا دل بند ہو جائے گا۔

"جے تُو اکھیاں دے سامنے نہیں رہنا۔۔۔

تے بیبا ساڈا دل موڑ دے

اساں نت دا وچھوڑا نیو سہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے

انج دور دورہ کے نیو چٹ لگنا۔۔۔

اساں دید بنا نئی کُجھ ہور منگناں

ساڈے کول جے نئی کڑی پل بہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے

جیتو اکھیاں دے سامنے نئی رہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے۔۔۔

تینوں چائی دے نے دل والے بھیت کھولنے

اساں تیرے نال کئی دُکھ سُکھ پھولنے

ائے وئی نکا جیا منا نئی کہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے۔۔۔

جے تو اکھیاں دے سامنے نئی رہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے۔

اساں نت دا وچھوڑا نیو سہنا تے بیبا ساڈا دل موڑ دے۔۔۔

گاتے گاتے اُس نے سامنے دیکھا تو شدید مایوسی ہوئی۔ رُباب اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ اُچٹتی سی نظر ہال پر ڈالی تو اُسکو ٹینٹ کے دروازے سے باہر جاتے دیکھا۔ گانا وہیں بند کر دیا۔ سب نے ایک دفعہ پھر تالیاں بجا کر داد دی۔ وہ بھی مسخروں کی طرح اپنی جگہ کھڑا ہو کر آگے کو جھکا۔ فلائنگ کس دیے اور اگلے بندے کو دعوت دیکر خود ایک دفعہ پھر ایمان کے پاس جا بیٹھا۔

آہستہ آہستہ بڑوں کا گروپ وہاں سے کھسک گیا۔ پیچھے ساری ینگ پارٹی بچی۔ مگر رُباب واپس نہیں آئی۔ حالانکہ کسی کی پر اُمید نگاہ مُسلسل دروازے کی جانب انتظار میں اُٹھتی اور جُھکتی رہی۔ بلآخر محفل برخاست ہوئی۔ وہ باہر کی جانب جا رہا تھا تاکہ فیصل وغیرہ میں سے کسی کے ساتھ مس ایمان کو اُسکے گھر بھیج سکے۔ ابھی لان عبور نہیں کیا تھا۔ جب اپنی بالکونی میں کسی کی موجودگی کا شک سا ہوا۔ بس پھر کیا تھا۔ تصدیق کی بھی ضرورت نہ جانی۔ وہیں کھڑے ہو کر ایمان ڈارلنگ کو آنے کا بولا۔ وہ شرماتی ادائیں دِکھاتی مٹکتی لچکتی آئی۔ میسم نے اُسکے لیے اپنے ہاتھوں سے اپنے برابر کی سیٹ کا دروازہ کھولا ہے۔ ایمان جی کے بیٹھنے پر اُس نے جُھک کر دروازہ بند کیا۔ جیب سے چابی ٹٹولتا دوسری طرف جا کر ڈرائیونگ سنبھال لی۔ گاڑی گیٹ سے نکل گئی۔ بالکونی پہ موجود فرد اندر چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ پوری سنجیدگی سے سامنے روڈ کو ہی دیکھتا گیا۔

ایمان کو اُسکی رہائش پر اُتارتے ہی گاڑی واپسی کے راستے پر ڈالی۔ چہرے پر مسلسل مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مگر جیسے ہی اپنے گیٹ پر پہنچا مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ نوکر دو بیگ عبداللہ والی کار کے ڈگی میں رکھ رہا تھا۔ امی اور خالہ لوگ سب وہیں کھڑے تھے۔ رُباب سب سے مل رہی تھی۔ ماتھے پر تیوری لیے وہ گاڑی کا انجن چلتا چھوڑ کر باہر آیا۔

"ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

اُسکے سوال کا جواب خدیجہ کی جانب سے آیا تھا۔"اوہ تم آ گئے ہو۔ ہریرہ سے مل لو کیونکہ وہ کُچھ دنوں کے لیے اپنی نانی کے گھر جا رہا ہے۔"

"پر یوں اچانک۔۔؟"

"اچانک تو نہیں ہے۔ بھائی صاحب سے تو یہی وعدہ کیا تھا کہ منگنی کے بعد رُباب کو بھیج دیں گے۔"

اب وہ سب کے سامنے کیا کہتیں رُباب نے اچانک ہی جانے کا فیصلہ سُنایا ہے۔اس بات پر میسم نے ردِ عمل دیکھانا تھا۔اسی لیے وہ اپنی عادت کے مطابق بات کو سنبھال رہی تھیں۔وہ بھی میسم تھا۔ماں نے نہیں بتایا پر وہ سمجھ گیا تھا۔سیدھا رُباب سے مُخاطب ہوا۔

’’کیا اسی وقت جانا ضروری ہے؟‘‘

ڈارک گلاسز کے پیچھے سے اُس نے کہا کُچھ نہیں،بس اثبات میں سر ہلایا۔

’’چلو پھر میں چھوڑ آتا ہوں۔‘‘

وہ تیزی سے بولی۔’’اسکی ضرورت نہیں ہے۔‘‘اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

میسم نے اپنی ماں کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔’’آپ اسکی حرکتیں دیکھ رہی ہیں؟‘‘خدیجہ نے جواب میں اپنے بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔اور سرگوشی میں بولیں۔۔۔

’’میں اُسے ہی نہیں تمہیں بھی دیکھ رہی ہوں۔‘‘وہ اُنکا اشارہ سمجھ کے غصے کے باوجود ہنس پڑا۔جبکہ خدیجہ نبیلہ بیگم سے ملتے ہوئے شکوہ کر رہی تھیں۔

’’کم ازکم آپ کو تو رُکنا چاہیے۔آج آئیں ہیں اور آج ہی واپسی۔‘‘

’’ضرور رُکتی مگر آج کل گندم کی بوائی کا سیزن ہے۔اسی لیے تو رُباب کے ابو بھی آج نہیں آپائے۔انشااللہ اب آپ لوگ آیئے گا۔یہ نہ ہو مجھے جھوٹے وعدے پر ٹرخا دیں۔‘‘

’’نہیں بھئی ضرور آئیں گے۔ویسے بھی ہریرہ کے بغیر یہاں اب کسکا دل لگنا ہے۔کل پرسوں ہی اسکو لینے آجائینگے۔‘‘طلال احمد کی بات پر سب کو اتفاق تھا۔

نبیلہ نے لُبنیٰ کے والدین کو علیحدہ سے دعوت دی۔سب سے ملنے ملانے کے بعد جب وہ گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھیں۔میسم نے عبداللہ سے اُسکی گاڑی کی چابی لی۔اور اُسکو اپنی گاڑی کہ جانب بھیج دیا۔نبیلہ بیگم بھی شرارتی مُسکراہٹ کے ساتھ عبداللہ کے ہمراہ ہوئیں۔ملیحہ نے ہریرہ کو رُباب کی گود میں دیا۔جو سفید چادر سے ڈھیلا سا نقاب کیئے پچھلی سیٹ پر براجمان تھی۔عبداللہ نے گاڑی پیچھے سے ہٹائی تو میسم نے اپنی سیٹ سنبھالی۔ رُباب بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔جس سے ناراض ہو کر وہ اتنی ایمرجنسی میں جا رہی تھی۔وہ لاڈ صاحب خود

بھی ساتھ ہی چل پڑے تھے۔ عبداللہ کی گاڑی پانچ چھ منٹ تک تو آگے جاتی نظر آتی رہی پھر نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ کیونکہ اُن لوگوں نے ٹرن لے لیا تھا۔ میسم نے گاڑی روڈ سائیڈ پر روکی اور بیک ویو مرر میں دیکھا۔ وہ لاتعلقی سے مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔ میسم سیٹ پر ترچھا ہو کر بیٹھا تا کہ براہِ راست پیچھے دیکھ سکے۔ ہریرہ کی باپ سے نظر ملنے کی دیر تھی۔ یہ اتنی بڑی مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔ پھر شرما کر ماں کی چادر میں سر چُھپاتا۔ میسم نے اُسکو چھیڑنے کے لیے سیٹی ماری۔۔۔۔حسبِ توقع ہریرہ نے جواب دیا۔ میسم نے ہاتھ بڑھا کر اُس کے بال بکھیرے۔

"رُباب تم نے آج دوسری دفعہ یہ حرکت کی ہے۔ جانے سے پہلے اجازت لینا تو دور کی بات بتانا تک پسند نہیں کرتی ہو۔ تمہاری یہ عادت مجھے سخت ناپسند ہے۔"

"میں امی سے اجازت لیکر آئی ہوں۔" وہ جانتا تھا کہ وہ خدیجہ کی بات کر رہی ہے۔ پھر بھی غُصے سے بولا۔

"اگر سارے کام امی کی اجازت سے ہی کرنے تھے۔ تو شادی مجھ سے کیوں کی؟ شوہر میں ہوں۔۔۔۔ امی کی مرضی میری مرضی کے بعد آتی ہے۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔ اور اب آگے آکر بیٹھو۔۔۔۔"

لباس بدل کر رُباب نے پستہ رنگ کا گرم سوٹ پہنا ہوا تھا۔ جس کے ساتھ وہی اپنی پسندیدہ سفید سندھی کڑھائی والی چادر سے نقاب کیا ہوا تھا۔ میسم کی فرمائش کا کوئی نہ جواب دیا۔ میسم چند پل اُسکو دیکھتا رہا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر اُسکا نقاب نیچے کیا۔ سیکنڈ کی دیری کئے بغیر رُباب نے نقاب واپس رکھ لیا۔ میسم نے پھر گرا دیا۔ ساتھ ہی اُسکے کالے گلاسز بھی اُتار دئے۔ رُباب نے سُرخ ہوتی آنکھوں سے اُسکو گھورا۔

"آپکا کیا مسئلہ ہے؟ اگر یوں راستے میں خوار کرنا تھا۔ تو مجھے میرے بھائی اور امی کے ساتھ جانے دیا ہوتا۔"

"تم روئی ہو؟"

"میں کیوں رووں گی؟"

"تمہاری آنکھیں تو یہی کہہ رہی ہیں تم روئی ہو۔ اب یہ تو تم خود ہی بتاؤ گی کہ کیوں روئی ہو؟"

"آپکو میری آنکھیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پلیز مجھے میری منزل تک چھوڑ آئیں۔"

”اصولی طور پر تو تمہاری منزل میں ہوں۔ تم مجھے خوار کر رہی ہو؟“

”اسی لیے میں جا رہی ہوں۔ تا کہ میری وجہ سے آپ مزید خوار نہ ہوں۔“

”خیر ابھی تو اُٹھ کر آگے آؤ۔ باقی باتیں بعد میں ہونگی۔“ میسم نے اُسکی گود سے ہریرہ کو لے لیا۔

" میں آگے نہیں آؤنگی۔ اس لیے وقت ضائع نہ کریں۔“

میسم بولا تو لہجے میں سختی تھی۔ ”تم ابھی آگے آ کر بیٹھو گی یا میں گاڑی واپس گھر کو ڈالونگا۔ اسکے علاوہ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔“

” مجھے آپ سے بے انتہا نفرت ہے۔ کاش آپ میری زندگی میں نہ آئے ہوتے۔“ وہ پیر پٹختی آنسو بہاتی آ کر آگے بیٹھ گئی۔ میسم ابھی تک اپنی سیٹ پہ ترچھا ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہریرہ بھاگ بھاگ کر سٹیرنگ وہیل تھامنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ میسم کی خوشبو سے پیچھا چھُڑانے کے چکر میں اُس نے دوبارہ سے چادر ناک کے آگے تان لی۔

” کتنے دنوں کے لیے جا رہی ہو؟“

”ہمیشہ کے لیے۔۔۔“

”سوچ لو کیا کہہ رہی ہو۔“

”سب سوچ لیا ہے۔۔۔“

”مگر ہریرہ کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”میں بھی نہیں چھوڑ سکتی۔“

”پھر کیا حل کرنا ہے؟“

” کرتے رہیں جو بھی حل کرنا ہے۔ بس مجھے میرے ابو کے گھر چھوڑ آئیں۔“

”تم انتہائی مطلبی اور گھمنڈی عورت ہو۔ مجھے تم نے سمجھا کیا ہوا ہے؟ کوئی بچہ ہوں۔ جسے جب چاہے اپنے اشاروں پہ نچاتی رہو گی یا اپنے ڈراموں سے بلیک میل کر لو گی۔“

” میں نہیں جانتی آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟“

”تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔۔۔ پہلے تمہیں یہ تکلیف تھی۔ میں دنیا کہ سامنے تم سے نفرت کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔تمہارے گرد پروانے کی طرح کیوں گھومتا ہوں۔اب اگر میں تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑ کر کسی اور لڑکی کی جانب متوجہ ہوا ہوں تب بھی تم سے برداشت نہیں ہو رہا۔اگر تم بھول گئی ہو تو میں یاد کروا دیتا ہوں۔ میں وہی ہوں جسکو تم نے ایک سال تک سولی پر لٹکا کر رکھا ہے۔ میرے خلاف کورٹ میں کیس کیا ہوا ہے۔آج آؤٹ آف بیلو تمہارے ماں باپ آتے ہیں۔تو تم چاہتی ہو۔ میں گزرا سارا وقت بھول کر تمہارے ساتھ ہیپی لائف کھیلوں جیسے ہمارے درمیان کوئی اختلاف کبھی تھا ہی نہیں۔اخلاقی طور پر میرے کسی کے ساتھ ملنے اُٹھنے بیٹھنے پر تمہیں یہ بچگانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔کل تک تم اپنے ماں باپ کا ذکر سُننے پر آمادہ نہیں تھیں۔آج مجھ سے پوچھے بغیر یوں منہ اُٹھا کر وہاں جا رہی ہو۔تم دو منٹ بیٹھ کر یہ فیصلہ کیوں نہیں کر لیتیں کہ آخر تم چاہتی کیا ہو۔“ مضبوط و مستحکم لب و لہجے کے ساتھ وہ بولنے پر آیا تو بولتا چلا گیا۔رُباب نے ساری بات پورے دھیان سے سُنی آنسو رُک گئے۔ دو چار سیکنڈ کے لیے تو بالکل ساکت رہ گئی۔نظریں سامنے آتے جاتے لوگوں پر جمی تھیں۔دماغ میسم کے الفاظ میں اُلجھ گیا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا آپ کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کروں۔مگر جس طرح آپ میرے والدین سے ہنستے ہوئے ملے تھے۔مجھے لگا آپ اُنکو معاف کر چکے ہیں۔“

”میں اتنا کمینہ نہیں ہوں کہ اپنے گھر آئے کسی انسان سے حساب کتاب کھول کر بیٹھوں۔مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میں اپنے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک کو معاف کر چکا ہوں۔“

رُباب کو لگا آج ہی سارے حساب بے باک ہونے کا دن ہے۔ ڈوبتے سورج نے روشنی میں کمی کر دی تھی۔لوگ بتیاں جلا کر اندھیرے کا استقبال کرنے میں مصروف تھے۔شاید اُسکے پاس اپنا راستہ روشن کرنے والا چراغ نہیں رہا تھا۔دل ڈوبتا ہی جا رہا تھا۔تو کیا یہی آخر ہے؟ انہی سڑکوں پر نصیب کے تار ملے تھے۔کیا انہی پر ٹوٹ جانے ہیں۔۔۔؟ یوں لگا سانس کہیں اٹک رہی ہے۔ بڑی مشکل سے کانپتی سی سانس اندر کھینچتے ہوئے بولنے کی ہمت ڈھونڈی۔۔۔۔

”آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔ میرے ماں باپ کی جانب سے بھی اور پھر میری جانب سے بھی۔ میں

اپنے ماں باپ کی طرف سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ جہاں تک رہی میری اُن سے ملنے کی بات۔۔۔ میں اُنکو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے اُن سے شکوے ہیں۔ مجھے اُنکی طرف سے بہت دُکھ ملا ہے۔ پر میں اُنکو چھوڑ نہیں سکتی ہوں کیونکہ وہ میرا اصل ہیں۔ اللہ اور رسول کے بعد ماں باپ سے آگے کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اُن سے اپنے ساتھ رکھے گئے رویے کے بارے میں جواب درکار ہیں۔ پر میں اُن سے منہ نہیں موڑ سکتی۔ میں آج تک اسی لیے بے چین تھی۔''

''چلو اب وہ مل گئے ہیں۔ اپنے آپ کو بڑا پُر سکون محسوس کرتی ہو گی۔'' اُسکے طنز کے جواب میں وہ اتنا ہی بولی۔ ''آپ عبداللہ کو فون کر دیں۔ وہ آ کر مجھے لے جائے گا۔ آپ واپس جا سکتے ہیں۔''

اب کی دفعہ وہ بولا تو رُباب کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ '' رُباب عالم آخری دفعہ کہہ رہا ہوں۔ اب مجھے کوئی بکواس حکم یا مشورہ دینے کی کوشش بھی مت کرنا۔ ورنہ ابھی یہ گاڑی کسی ٹرک میں مار دونگا۔ میری طرف سے تم بھاڑ میں جانا چاہو یا اپنے باپ کے گھر۔۔۔ کیونکہ وہاں سے تمہیں لیکر میں آیا تھا۔ اس لیے یہ مصیبت چھوڑ کر بھی خود ہی آؤنگا۔ دو چار دن میں طلاق بھیج دونگا۔ پھر کر لینا اپنے کزن سے شادی آخر وہ بھی تو تمہارا اصل ہی ہو گا۔'' اُس نے ہریرہ کو رُباب کی گود میں رکھا۔ سیدھا ہو کر گاڑی کا انجن سٹارٹ کیا اور آگے بڑھا دی۔

اگلے پونے تین گھنٹے وہ لب بھینچے ماتھے پر تیوری لیے گاڑی چلاتا رہا۔ برابر میں بیٹھی رُباب اپنے کانپتے دل کو تھپکیاں دے دے کر بہلانے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہی۔ اتنی جرات نہیں ہو پا رہی تھی کہ نظر موڑ کر ایک دفعہ اُس ظالم کو دیکھ ہی لیتی جو ایک دم سے اتنا سنگدل ہو گیا تھا۔ ہریرہ دودھ پی کر سو گیا تھا۔ جوں جوں گاؤں قریب آ رہا تھا۔ رُباب کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ لو۔ اسکو اس طرح سے جانے مت دو۔ اس وقت وہ غُصے میں ہی سہی مگر تمہارے پاس ہے۔ مگر ہمت ہی نہ پڑ رہی تھی۔

بڑی دقت کے ساتھ ہریرہ کے گرد لپیٹا اپنا سیدھا بازو کھول کر ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ گیئر سٹک پہ رکھے میسم کے ہاتھ کے اوپر رکھا۔

میسم کو لگا وہ ہاتھ اُسکے دل پر رکھا گیا تھا۔ رُباب کی کانپتی جھجکتی گرفت میں میسم کا ہاتھ نہیں، دل تھا۔ اپنے دل کے خلاف جاتے ہوئے اُس نے رُباب کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اُسکے خیال میں یہ کرنا بڑا ضروری تھا۔ اگر آج

اس لمحے وہ یہ ہاتھ نہیں جھٹکے گا تو اپنے آنے والے کل کا تعین نہیں کر پائے گا۔ وہ مزید بے یقینی کی زندگی نہیں جی سکتا تھا۔ اُسکو ایسا ہم سفر چاہیے تھا۔ جو اُس کے ساتھ پر شرمندہ ہونے کی بجائے نازاں ہو۔ جسکو میسم کے وجود سے چڑ نہیں محبت ہو۔ جو اُسکو بڑے چاؤ سے اپنائے۔ بڑے ناز سے چاہے۔ بڑے فخر سے اوڑھے۔ وہ کسی ایسے وجود کا لباس بننا چاہتا تھا۔ جس وجود کا ایک ایک خلیہ میسم کے لمس سے کھلتا۔۔۔۔ نہ کہ مُرجھاتا۔ اُس نے رُباب کو جتنی دفعہ بھی چھوا تھا۔ ہر دفعہ وہ اپنے خول میں بند ہی ہوئی تھی۔ شادابی سے کھلی نہیں تھی اور وہ اس کھیل سے تنگ آ چُکا تھا۔

سر جھٹک کر سوچوں کے بھنور کو جھٹلاتے ہوئے اُس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی۔ گیٹ کُھلا ہوا تھا۔ عبداللہ کُچھ لڑکوں کے ہمراہ کھڑا نظر آیا۔ میسم نے گاڑی اندر لے جانی چاہی تو سامنے اپنی گاڑی پورچ میں کھڑی نظر آئی۔ وہ باہر نکل آیا۔۔۔

سلام دُعا کے بعد اُس نے عبداللہ سے چابی طلب کی۔۔۔

"کیا مطلب آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں یار جانا ضروری ہے۔ کل آفس جانا ہے۔"

"دیکھئے اگر دل میں کوئی غصہ ہے۔ تو میں کان پکڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ پر یار آپ ایسے واپس نہیں جا سکتے۔"

"مجھے کوئی ناراضگی نہیں ہے۔ پہلے ہی کافی دیر ہو رہی ہے۔ تم چابی دو۔ میں پھر کسی دن آ جاؤنگا۔ مگر اس وقت جانا ضروری ہے۔"

"پکی بات ہے؟"

"ہاں بالکل امی ابو سے بھی میری طرف سے معذرت کر لینا۔"

"چلیں پھر جیسے آپ کی مرضی۔ اگر جانا ہی ہے تو وقت سے پہنچیں۔" رباب گاڑی سے نکل آئی۔

میسم نے اُسکی جانب نہیں دیکھا۔ پر مُڑ کر ہریرہ کے گال پر پیار کیا۔ سوئے ہوئے چہرے کے ساتھ کُچھ سیکنڈ کے لیے اپنا چہرہ مس کیا۔۔۔

''میسم ایم سوری پلیز اس طرح سے ناراض ہو کر نہ جائیں۔۔۔'' جب وہ اُسکی گود میں سوئے ہریرہ پر جُھکا تو بہت قریب محسوس ہوا۔ بھرائی ہوئی آواز سے رُباب نے کہہ ہی دیا۔ جسے وہ سُنی ان سُنی کر کے چلا گیا۔ سب سے ملتی صفائیاں دیتی رُباب بظاہر بڑی مضبوط بنی کھڑی رہی۔ پر اندر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ جیسے کوئی بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔ شکر کیا کہ ابو اس وقت گھر پہ نہیں تھے۔ امی ویسے ہی سارے دن کی تھکی ہوئیں تھیں۔ عبداللہ ہریرہ کو حویلی لے گیا۔ وہ تھکاوٹ کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اُسکا کمرہ آج بھی ویسے کا ویسے ہی تھا۔ مگر آج اپنا نہیں لگ رہا تھا۔ ایسے محسوس ہوا جیسے کسی غیر جگہ پر آ گئی ہو۔ گہری اُداسی نے نئے سرے سے اپنی لپیٹ میں لیا۔

یہاں وہ پیدا ہوئی' پلی بڑھی' بچپن گزارا جوانی کا استقبال کیا پڑھائی کا پریشر برداشت کیا۔ ساری خوشیاں اسی آنگن سے وابستہ تھیں۔ پر آج یہ آنگن اپنا ہو کر بھی پرایا لگا۔ جس دن وہ کراچی سے واپس لاہور آئی تھی۔ میسم کا گھر ایک لمحے کو بھی پرایا نہیں لگا تھا۔ بیڈ پر بیٹھ کر خالی خالی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ دروازہ کُھلنے کی آواز پہ چونکی۔۔۔۔

''میں تمہارے لیے دودھ لائی ہوں۔'' نبیلہ ہاتھ میں ٹرے لیے اندر آئیں۔ جس میں گرم دودھ کا جگ ساتھ میں ایک گلاس اور گاجر کا حلوہ تھا۔

''شکریہ امی مگر اسکی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے بالکل بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی ہے۔'' مصنوعی مُسکراہٹ سمیت اُس نے کہا تو نبیلہ اپنی جگہ تھم گئیں۔ بڑے غور سے اُسکو دیکھے گئیں۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں نمی آ گئی۔

''امی آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟'' نبیلہ نے ٹرے میز پر رکھی اور آ کر بیڈ پہ اُسکے سامنے بیٹھ گئیں۔ دونوں ہاتھوں میں اُسکا چہرہ تھام کر پیشانی چومی۔۔۔ اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسو پلو سے صاف کیئے۔ رُباب سپاٹ چہرہ لیے بس دیکھے جا رہی تھی۔

''کاش آپ نے میری یہ پیشانی یوں اُس وقت میں چومی ہوتی جب میں بالکل اکیلی تھی۔ یہ کمرہ مجھے اپنی قبر لگنے لگا تھا۔ تب آپ کا اتنا سا پیار میرے لیے آبِ حیات کا کام کرتا۔ اب تو مجھے کُچھ محسوس نہیں ہوا۔ کیونکہ اب میں نے اپنے پیر جما لیے ہیں۔''

”پگلی عورت کے بھی کبھی پیر جمے ہیں۔ وہ تو پہلے باپ کے لیے جیتی ہے۔ پھر شوہر کے لیے اُسکے بعد اولاد کے لیے۔ میں جانتی ہوں۔ تم مجھ سے خفا ہو۔ میں ایک مضبوط ماں ہونے کا ثبوت نہ دے سکی۔ تمہاری ڈھال نہ بن سکی۔ تمہیں لوگوں کی باتوں سے بچا نہ سکی۔“

”مجھے لوگوں کی کوئی پروا نہ تھی امی۔ مجھے بس آپ کی پرواہ تھی۔ ابو کی پروا تھی۔ گھر کے باہر لوگ کیا کہتے کیا نہیں مجھے تو گھر کے اندر ہی گناہ گار تصور کر لیا گیا۔ آپ نے اتنے دن مجھ سے کلام نہ کیا۔ ابو تو میری شکل دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔“

”نہ نہ رابی۔۔۔۔ یہ سچ نہیں ہے بیٹی۔۔ مجھے اپنے پیارے نبی ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں نے ایک لمحے کو تمہیں غلط سمجھا ہو۔ اور نہ ہی تمہارے باپ کے دل میں ایسی کوئی بات تھی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر مر گئی تھی کہ میری بے قصور بچی کیسے جھوٹ کی بنا پر بدنام کی جا رہی ہے۔ تمہاری چچی تو شروع سے رشتے کے حق میں نہ تھی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے وہ باہر سے کسی اونچے خاندان کا رشتہ لانا چاہتی تھی۔ جو لوگ کھلا جہیز، سونا اور گاڑی دینے والے ہوتے۔ وہ تو خاندان میں کئی دفعہ یہ سنا چکی تھی۔ ہم نے بیٹی کو کچھ بھی نہیں دینا۔ وہ بس موقعے کی تلاش میں تھی۔ وہ قدرت نے مہیا کر دیا۔ مجھے یہ غم مار گیا میری بیٹی کے لیے یہ لوگ منہ بھر بھر کر بدنامی پھیلا رہے ہیں۔ انکو خُدا کا خوف بھی نہ ہوا۔ تم نے تو آج تک اُسکو منہ نہ لگایا تھا۔ جو تمہارا منگیتر رہا تھا۔ باہر کسی لڑکے سے تعلق رکھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ یہ بات ایسی ہے بیٹی جو میں مر کر بھی نہیں مان سکتی۔ اگر میری بیٹی ایسے شوق رکھتی ہوتی۔ میں جانتی ہوتی۔ اور کسی کو خبر ہوتی یا نہ ہوتی مجھے ضرور علم ہونا تھا۔ میرے سامنے تم دن رات کرتی تھیں۔ تمہیں تو بس اپنی زندگی میں ایک ہی جنون رہا تصویریں بنانے کا۔ اُسی شوق کو پروان چڑھانے کے چکر میں یہ گھڑی دیکھ لی۔ میرا دل کرتا تھا۔ میں جا کر تمہاری چچی سے لڑوں کیوں اُس نے میرے ساتھ ایسا کیا۔ پر تمہارے ابو نے منع کر دیا۔ وہ کہنے لگے کس کس کا منہ پکڑو گی۔“

”ہاں ابو نے بھی اچھا کیا۔ کس کس کا منہ پکڑنے کا خیال تو دور اُنہوں نے اُسی لڑکے کے ساتھ میری شادی کر کے ساری دنیا کو ثبوت دے دیا۔ لوگ تو یہی سمجھتے ہونگے بیٹی کی بُرائی کو چُھپانے کے لیے اُسکو یوں خاموشی سے یہاں سے چلتا کر دیا۔ آپ بھی آنسو بہاتی رہیں۔ ابو کو منع نہیں کیا۔“

"مجھے تمہاری میسم سے شادی پر کوئی دُکھ نہیں تھا۔تمہارے باپ کا فیصلہ ٹھیک تھا۔اُس دن میں اس لیے روتی رہی کیونکہ میں چاہتی تھی۔آرام سکون سے شادی کرتے یہ کیا اُسی وقت نکاح کر دیا۔پھر جو کمینگی تمہاری چچی کے بیٹے نے کی تھی۔وہ بھی تو دیکھنا تھا۔"

رُباب صدمے کی حالت میں ماں کا چہرہ دیکھتی چلی گئی۔

"آپ لوگوں نے میرے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیا۔اور اب آپ کہہ رہی ہیں۔جو ہوا ٹھیک تھا۔میری شادی آپکی۔۔۔۔"ابو کو دیکھ کر اُسکی بات منہ میں ہی رہ گئی۔اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُنکو سلام کیا۔۔اُنہوں نے سر پہ ہاتھ رکھ کر ساتھ لگایا۔

"ہریرہ تو حویلی میں ماموں کے پاس سو گیا ہے۔"

اُنہوں نے بتایا تو نبیلہ فکر سے بولیں۔"آپ اُسکو اندر لے آتے۔باہر اس وقت بڑی ٹھنڈ ہو گئی ہو گی۔"

"کوئی نہیں عبداللہ خود ہی آنے والا ہے۔اپنی چادر میں لیکر بیٹھا ہوا ہے۔ٹھنڈ نہیں لگتی۔تم لوگوں نے میسم کو جانے کیوں دیا۔رات تو رہتا۔۔"کہتے ہوئے وہ کُرسی پر بیٹھ گئے۔

"وہ تو اندر بھی نہیں آیا۔دروازے سے ہی چلا گیا ہے۔عبداللہ کو کہہ رہا تھا پھر آئے گا۔خدیجہ بہن کو میں کہہ کر آئی ہوں۔جب اُنکے پاس وقت ہو ہمیں خدمت کا موقع ضرور دیں۔"رُباب کو لگا جھوٹی اُمید دلوانے سے بہتر کڑوا سچ ہے۔

"میسم میرے سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔وہ واپس نہیں آئیں گے۔"

بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر اُنگلی پھیرتے ہوئے وہ بولی تو ماں باپ کو پوری طرح اپنی جانب متوجہ کر گئی۔عالم حیات نے بیٹی کو بڑے غور سے پڑھا۔پھر نبیلہ کی جانب مُڑے۔

"تم جا کر آرام کرو۔میں ذرا اپنی بیٹی سے بات کرلوں۔"نبیلہ اُنکا اشارہ سمجھ کر کمرے سے نکل گئیں۔

رُباب اُسی طرح بیٹھی رہی۔۔۔

عالم حیات کُرسی سے اُٹھ کر بیڈ پر ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔سائیڈ میز پر رکھی ٹرے اُٹھا کر اپنے سامنے رکھی۔

"تمہیں اپنی دادی امی یاد ہیں؟"

حلوہ کھاتے ہوئے اُنہوں نے سوال کیا۔رُباب کو حیرت ہوئی اچانک کہیں اور کی بات میں دادی امی کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔ پر سنبھل کر بولی۔۔۔

"ہاں جی یاد ہیں۔"

عالم حیات خود ہاتھ سے اُٹھا اُٹھا کر حلوہ کھا رہے تھے۔چمچ بیٹی کے ہاتھ میں دیا۔میکانکی انداز میں اُس نے باپ کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔

"مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کس موقع پر یا کب اُنہوں نے یہ بات کہی تھی۔مگر اُنکے الفاظ مجھے بڑی اچھی طرح یاد ہیں۔" رُباب سوالیہ نظروں سے اُنکی جانب دیکھ رہی تھی۔اُن کے متوجہ کرنے پر پھر سے ایک چمچ بھر کر منہ میں رکھا۔

"اماں نے کہا تھا۔بیٹیوں کی عزت شیشے کی دیوار جیسی ہوتی ہے۔جس پر لگا ہلکا سا بھی داغ دھبہ دنیا کی نظر سے نہیں چُھپتا۔اور بدنامی کا ایک پتھر بھی لگے تو اُس دیوار میں کبھی نہ بھرنے والی دراڑ چھوڑ جاتا ہے۔ یہ بات مجھے اُس دن سمجھ آئی تھی۔جس دن میں نے پولیس والے کی کال سُنی تھی۔اُس وقت اپنے آپ سے زیادہ بے بس اور غریب انسان مجھے اس دنیا میں کوئی دوسرا نہیں لگا۔"

"اس کا مطلب تو یہی ہے نا ابو جی آپ کو اُنکی کہی ہر بات سچ لگی۔"

"اُنہوں نے کہا تھا۔ملک عالم حیات تمہاری بیٹی ادھر تھانے میں ہے۔اور یہ بات تو سچ ہی تھی۔تم اُدھر تھیں۔پر اگلی بات سے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے آسمان سر پہ آ گرا ہو۔میسم طلال نامی لڑکے کے ساتھ موٹر سائیکل پہ نہ جانے کہاں سے آئی ہے۔اور کہاں جا رہی تھی۔میں تو اپنی پیاری بیٹی کو گھر پہ ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گیا تھا۔میری رُباب جو کبھی باپ یا بھائی کے سامنے ننگے سر نہیں آئی۔کبھی اُسکو بے ڈھنگے انداز میں فیشن کرتے نہیں دیکھا۔یہ بات میں کیسے مان لیتا میری وہی رُباب یوں کہیں کسی کے ساتھ گھوم رہی ہوگی۔مگر کیا کرتا؟ تمہارے بھائی کو فون کیا اُس نے ساری بات بتادی۔

میں نے آج تک گھر میں سختی اس لیے نہیں رکھی تھی۔کہ مجھے تم سے کوئی کسی قسم کا بیر یا نفرت تھی۔پُتر میں

احتیاط پسند انسان ہوں۔گاؤں میں پلا بڑھا ہوں۔اپنی زندگی میں لوگوں کے بڑے بُرے بُرے واقعات دیکھے ہیں۔تم تو میری زندگی کی سب بڑی دولت ہو۔اسی لیے میں تمہاری سب سے زیادہ حفاظت کرتا تھا۔تمہارے بھائی کی ڈیوٹی بڑی چھوٹی عمر سے لگائی ہوئی تھی۔جہاں تمہیں جانا ہو وہ تمہارے ساتھ جائے۔''

رُباب کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ دُکھ ٹپک رہا تھا۔

''تمہارے چچا نے رشتہ مانگا۔یہ اُسکی اپنی خواہش تھی کہ ہم اپنے بچوں کے رشتے آپس میں کریں۔اُسکی بیوی کو اعتراض تھا۔میں نے اپنے بھائی کا دل رکھ لیا تھا۔پر تمہاری ماں کو ایک بات کہہ رکھی تھی۔اگر تمہاری چچی کا رویہ نہ بدلتا تو ہم نے تمہاری شادی کہیں اور کردینی تھی۔''

اُنہوں نے اپنی گرم چادر کے ساتھ اُسکے آنسو صاف کردیئے۔

''اُس واقعے کے بعد میں نے اور ضیاء نے یہی فیصلہ کیا کہ تمہارا اور شارق کا نکاح کردیتے ہیں۔مگر دن چڑھنے کی دیر ہے۔شارق کی ماں نے واقعے کی خبر نمک مسالا لگا کر سارے گاؤں میں پھیلا دی۔کوئی رشتے دار بے خبر نہیں چھوڑا کسی جاننے والے کا لحاظ نہیں کیا۔میری نیک معصوم بیٹی زندہ ہے۔اور لوگ میرے پاس افسوس کرنے آرہے تھے۔جیسے میری بیٹی مرگئی ہو۔پتر میں تو شرمندگی کے مارے تم سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔میں تمہاری حفاظت کرنے میں ناکام ہوگیا۔کل اللہ کو کیا جواب دیتا۔

جس دن میسم ادھر آیا تھا۔اُس کے پہلے ہی میں نے یونیورسٹی سے اور اُس کے گلی محلے سے اُسکے بارے میں ساری جانچ پڑتال کروالی ہوئی تھی۔میرا ارادہ اُسکے گھر جا کر اُسکے والدین سے مل کر آنے کا تھا۔ پر اُس کی قسمت میرے جانے سے پہلے وہ خود ہی آگیا۔آگے خبیث شارق نے اُسکے ساتھ جانوروں والا سلوک کیا۔یہاں سے اگر وہ اُس دن چلا جاتا تو تم دونوں کی شادی کبھی نہیں ہونی تھی۔میسم ایک شریف اور خاندانی بچہ ہے۔اچھے اخلاق و کردار کا مالک ہے اسی لیے میں نے تمہارا اُس سے نکاح کیا تھا۔اگر اُس کے کردار میں عیب ہوتا تو وہ یوں میرے سامنے آکر میری بیٹی کی صفائی نہ دیتا۔اور نہ ہی میں اپنی جان سے پیاری بیٹی اُسکے حوالے کرتا۔''

ابو کے الفاظ نے وہ کام کیا تھا۔جو صحرا میں ہونے والی بارش کرتی ہے۔آج وہ الفاظ سُن ہی لیے جن کی ضرورت اور طلب ایک سال پُرانی تھی۔وہ بھیگی پلکوں سمیت شکوے سے بولی۔۔

”یہ سب کُچھ مجھے تب کیوں نہیں بتایا۔ میں نہ جانے ایک ایک لمحے میں کتنی دفعہ مرتی رہی۔ صرف یہ سوچ کر کہ آپ نے ایک دفعہ مجھ سے نہیں پوچھا۔۔۔ نہ کوئی تسلی دی۔ اور دھمکا دیا کہ اگر نکاح قبول نہیں کروگی تو خود کو ختم کرلونگا۔۔ صرف آپ کے لیے میں زندہ درگو ہوگئی۔ میسم سے ہی میری شادی کرنی تھی تو بعد میں کردیتے۔ کہیں اور کردیتے۔ مگر تب اُنہی دنوں میں کیوں کردی۔“

”کیونکہ اُن دنوں میں تمہیں یہاں سے نکالنا ضروری تھا۔ آنے جانے والے سب لوگوں کی باتیں اوپر سے تمہاری چچی کے ڈرامے میں کوئی فرشتہ تو نہیں ہوں نا بچے انسان ہوں۔ جذبات میں فیصلہ کر کے عمل کرڈالا۔ پر وقت نے ثابت کردیا ہے۔ کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔"

آنسو ایک دفعہ پھر بہہ نکلے گلا صاف کرتے ہوئے بڑی مشکل سے اُپنی آواز ڈھونڈتے ہوئے بولی۔۔۔

”ابو جی آپ کا فیصلہ غلط چاہے نہ ہو پر آپ کا انداز غلط تھا۔ بہت غلط۔۔۔ ابو جی جیسے ہندو لوگوں کی رسمیں ہیں ناں کہ اگر مرنے والا بے چین ہو تو اُسکی روح کو کہیں سکون نہیں ملتا۔ روح بھٹکتی رہتی ہے۔ ابو جی بیٹیوں کی مثال بھی ایسے ہی ہے۔ اگر پیچھے ماں باپ کی دُعائیں نہ ہوں۔ اُنکی خوشی حاصل نہ ہو تو یہ بھی کہیں چین نہیں پاتی ہیں۔ چاہے لاکھ پیار کرنے والا شوہر ہو۔ قدر کرنے والی سُسرال ہو۔ ماں باپ زندہ ہوں۔ مگر آپ یہی نہ جان پائیں آیا وہ آپ سے خوش ہیں یا ناراض؟ کیا کبھی یاد کرتے ہیں۔۔۔ ابو جی بیٹیوں کو اور کُچھ دیں یا نہ دیں مگر اپنے گھر سے رُخصت کرتے وقت سر پہ شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر یہ احساس ضرور دیں۔ کہ بیٹا تم جہاں مرضی رہو۔ میں اور میری دُعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گی۔ تب ہی یہ بیٹیاں اپنے گھر سکون سے رہتی ہیں۔ ورنہ انکی روح کو بھی کہیں چین نہیں آتا۔“

عالم حیات زندگی میں پہلی دفعہ یوں رُباب کے پاس بیٹھ کر اُسکو سُن رہے تھے۔ اپنی آنکھوں کو اُنہوں نے اپنی چادر سے خُشک کیا۔ آج وہ چاہتے تھے۔ رُباب اپنے اندر کا ہر دُکھ کہہ کر بے فکر ہو جائے۔ مگر آج بھی یہ بھول رہے تھے۔ دُکھ بتا دینے سے شائد اُنکی تکلیف کی شدت تو کم ہو جاتی ہو۔ مگر دُکھ ختم نہیں ہوتے۔

”میں نے کہا نا رُباب پتر میں انسان ہوں۔ انسان کو خطا کا پُتلا ایویں تو نہیں کہا جاتا۔ پر بیٹی میں تم سے معافی۔۔۔“

”اللہ نہ کرے ابو جی۔۔۔! میرے گناہگار کان یہ الفاظ سُننے سے پہلے ہی بہرے ہو جائیں۔آپ نے میرے لیے اچھا ہی سوچا تھا۔جو مجھے ملا وہ میرا نصیب ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میسم بہت اچھے ہیں۔ آج کے بعد مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔میری زندگی بھی آپ کو لگ جائے۔مجھے اپنے ماں باپ واپس مل گئے ہیں۔میں پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔“

”زندہ خاتون لو یہ اپنا لختِ جگر پکڑو۔سو گیا ہے۔“ عبداللہ بولتا ہوا اندر آیا۔رُباب نے اُسکی گود سے ہریرہ کو لیکر بیڈ پر ڈال دیا۔

”باہر گُڑ بن رہا ہے۔کھانا چاہتی ہو لا کر دوں؟“ عبداللہ کی فرمائش پر جواب عالم حیات کی جانب سے آیا۔

”لے آنا تھا نا اب لینے گئے ہی دن نکال کر آؤ گے۔“

”میں نے سوچا بڑی ماڈرن فیملی والی ہو گئی ہے۔ہوسکتا ہے یہاں کی سوغاتیں بھول گئی ہو۔“

”اتنی بھی بھلکڑ نہیں ہوں۔چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“

فٹ میں سارا کچھ بھول کر وہ بے فکر رُباب بن گئی۔باپ کے سامنے اداکاری کرنا لازمی تھی۔کیونکہ وہ پریشان نظر آ رہے تھے۔کُچھ دیر پہلے دل میں اُن سے خفا تھی۔یہ تک بتانے کا سوچ لیا تھا کہ وہ میسم سے طلاق لے رہی ہے۔خدیجہ نے مختصر سا نبیلہ کو سب کچھ بتا دیا تھا۔مگر یہ نہیں بتایا کہ رُباب سال بھر کراچی ہی رہ کر نہیں آئی بلکہ میسم سے خلع کی طلب گار ہے۔جو سچی بات ہے۔اس وقت رُباب کے دل میں دور دور تک میسم سے علیحدہ ہونے کی چاہت موجود نہیں تھی۔مگر میسم بدل گیا تھا۔اور رُباب کو اُس سے ڈر لگ رہا تھا۔نہ جانے وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔اُسکے انداز سے تو ظاہر ہوا تھا۔وہ اپنا ذہن بنا چُکا ہے کہ وہ رُباب کو معاف نہیں کرے گا۔

حویلی سے نکلنے کی دیر تھی۔ٹھنڈی ہوا نے دانت بجا دیئے۔وہ عبداللہ کے ساتھ ہو کر چلنے لگی۔عبداللہ نے سر موڑ کر پوچھا۔۔۔

”تم ٹھیک ہو۔۔۔؟“

”ہاں اندازہ نہیں تھا۔باہر اتنی ٹھنڈ ہو گی۔“ عبداللہ نے اپنی چادر اُتار کر اُس کے گرد لپیٹ دی۔

”تم لوگوں کا گھر بند ہے نا اور ہے بھی شہر میں اس لیے یہاں زیادہ سردی محسوس کر رہی ہو۔ورنہ تو آج کل

موسم ٹھیک ہو رہا ہے۔ پہلے جیسی سردی نہیں ہے۔" گیٹ سے نکل کر دونوں بہن بھائی ٹہلتے ہوئے اُس کھیت کی جانب بڑھ گئے۔ جہاں آگ جلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

گھر کے سامنے والے کھیت کے اگلی طرف ہی جانا تھا۔ چلتے چلتے رُباب نے پلٹ کر ایک نظر چاچو کے گھر پر ڈالی۔ جہاں ساری بتیاں گُل تھیں۔ بے اختیار منہ سے نکلا۔۔۔

"چاچو لوگ آج بھی شام کی شام سونے کے عادی ہیں۔" عبداللہ سامنے دیکھتے چلتے ہوئے بولا۔

"پہلے تو شارق اور نائلہ پھر بھی کچھ دیر جاگ لیا کرتے تھے۔ اب تو وہ دونوں بھی ادھر نہیں ہوتے۔ اب تو چاچو سات بجے ہی سو جاتے ہیں۔"

"شارق اور نائلہ کدھر ہوتے ہیں؟"

"چاچو نے نائلہ کی شادی اُسکے ماموں کے بیٹے کے ساتھ کر دی ہوئی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ سعودیہ ہوتی ہے۔"

"ہیں۔۔۔؟؟ اُسکی تو ابھی پڑھائی بھی پوری نہیں ہوئی ہوگی۔"

"تمہاری بھی تو پڑھائی درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ اُس نے تب بڑا رول ادا کیا تھا۔ چچا نے پورا بدلا لیا ہے۔"

"یہ زیادتی ہے۔ دو سال اُسکو ضرور ملنے چاہیے اپنی ڈگری مکمل کر لیتی۔ کیا شارق بھی کسی دوسرے ملک چلا گیا ہے؟"

"اُس نے کہاں جانا ہے۔ چاچو نے اُسکو گھر سے نکال دیا ہوا ہے۔"

"ہا۔۔۔۔۔!! وہ کیوں۔۔؟" عبداللہ کی رفتار کچھ اور بھی کم ہو گئی۔

"اُس نے میسم اور تمہیں بدنام کرنے کی کوشش میں جو جھوٹی آڈیو ریکارڈ کی۔ تمہارے جانے کے بعد چاچو نے اُسکی عدالت لگائی اور گھر بدر کر دیا۔ چچی کو بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بڑا شور کیا پر اُنکی نہیں چل سکی۔ چاچو نے سیدھا بول دیا اگر میرا فیصلہ قبول نہیں تو اپنا سامان اُٹھا کر بیٹے کے ساتھ ہی نکل جاؤ۔ تب سے ہماری طرف نہیں آتی ہیں۔"

SohniDigest.com

”تم لوگوں سے کیوں ناراض ہیں؟“

”بھئی سیدھی سی بات ہے۔ چاچو نے اپنے بیٹے پر بھتیجی کو فوقیت دی ہے۔ یہ چاچی کیسے برداشت کرسکتی ہے۔“

”اچھی فوقیت دی ہے۔نہ آج تک میرے گھر آئے نہ ملے۔“

”تمہارے گھر آکر بھی کیا کرتے تم کونسا اپنے گھر پہ تھیں۔“

”زیادہ باتیں نہ کرو۔وقت آنے پر مجھے تم سے بھی دُکھ ہی ملا تھا۔“

”بس یار مُشکل میری اوقات سے بڑی آگئی تھی۔ مگر میں تم سے اور میسم سے بڑا شرمندہ ہوں۔اُس سے میں نے معافی مانگ لی ہے۔تم سے بھی مانگتا ہوں۔ہم سب ہی تمہارے قصوروار ہیں۔ پر سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ بڑے بڑے عقل مند ششدر رہ گئے تھے۔میں تو پھر بچہ تھا۔“

”پہلی دفعہ کوئی چھ فُٹ کا بچہ دیکھا ہے۔“

دونوں بہن بھائی باتوں کے دوران مطلوبہ کھیت تک پہنچ گئے۔

وہاں پر دو تین بزرگ حُقہ ڈالے باتوں میں مصروف تھے۔ ایک طرف مٹی کے بڑے سے چولہے پر گُڑ پک رہا تھا۔ایک درمیانی عمر کا آدمی کڑاہی میں اپنے ہی سائز کا چمچ مار رہا تھا۔رباب اُن سب افراد کو جانتی تھی۔ اور وہ اُسے جانتے تھے۔ یہ سب اُسکے گاؤں کے ہی لوگ تھے۔جو سالوں سے اُنکے گھر کے کام آتے رہے تھے۔

”اوئے اپنی نواب آئی ہے؟“

”ہاں جی وہی ہے۔“

بابا پھجلی آنکھیں سکیڑتا ہوا اُسکو پہچاننے کے چکر میں تھا۔عبداللہ نے تصدیق کردی۔اُنکو رُباب کا نام لینا نہیں آتا تھا۔اسلیے بچپن سے اُسکو نواب ہی بلاتے تھے۔

”اسلام و علیکم دادا جی کیا حال ہے؟“

”وعلیکم اسلام۔۔وئی اپنی نواب آج کدھر سے راستہ بھول آئی۔آگے عبداللہ نے ایک کا کا اُٹھایا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا تمہارا بیٹا ہے۔۔“

"ہاں جی میرا ہی بیٹا ہے۔"

"واہ پئی واہ پھر تو موجاں ہو گئیاں۔ ہیں۔۔۔"

سب نے باری باری پہلے اپنے ہاتھ اپنے کپڑوں سے پونچھے پھر اُسکو سر پہ پیار دیا۔

دوسرے بابا جی بولے۔

"کر، والا بھی آیا ہے؟؟"

"ہاں جی چھوڑنے آئے تھے۔ اب لینے آئیں گے۔"

"اتنے عرصے بعد آئی ہو۔ اب ماں کے پاس کچھ عرصہ رہ کر جانا۔ یہ لوگ تمہیں بڑا یاد کرتے تھے۔ چوہدری تو اتنا ظاہر نہیں کرتا۔ پر ضیاء تو کئی دفعہ تمہارا ذکر کر کے دُکھی ہو جاتا تھا۔ اُسکو اکلوتی بھتیجی سے بڑا پیار ہے۔"

پہلے والے بابا بولے۔ "آہو جی جے اپنیاں وچ پیار محبت نہ ہوئے تے فیر اوا پنے کا دے ہوئے۔ پر مرحوم ملک عالم کی اولاد پر اللہ کا کرم ہے۔ آج بھی دونوں بھائیوں کا سلوک ہے۔ پیلی بنا اکٹھا ہے۔ چھوٹا بھائی بڑے کی عزت کرتا ہے۔ بڑے کو بھی کبھی نہیں دیکھا چھوٹے کے حقوق مارتے ہوئے۔ یہی جنت ہے۔ اگر اولاد میں سلوک نہ ہو۔ تو دنیا بھی جہنم ہے۔ آخرت بھی۔" رباب اُدھر پڑی واحد چارپائی پر بیٹھ گئی۔ عبداللہ نے ایک صاف پیالی کڑاہی میں ڈبو کر گرم گرم گڑ سے بھری اور رُباب کو دی۔

اس دوران کڑاہی میں چمچ پھیرتا لیاقت موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ جو بڑی ادھر آزاد گھومتے ہو۔ تم لوگ شُکر کرو۔ ادھر گاؤں میں رہتے ہو۔ جدھر کوئی مائی بابوں کا سینٹر نہیں ہے۔ میرا بڑا بیٹا آیا نا کراچی سے کہہ رہا تھا۔ اُدھر وہ مائی بابوں کے لیے ہوسٹل بن گئے ہیں۔ بیٹا بہو جا کر بڈھے بڈھی کو اُدھر جمع کروا آتے ہیں۔ کہ گھر میں بیماریاں آتی ہیں۔ اب کوئی پیار محبت والی باتیں نہیں رہ گئی ہیں۔"

بابا پھجلی رُباب سے مخاطب ہوا۔ "کڑیے تم ساس سُسر کے ساتھ ہوتی ہو۔ یا وکھری رہتی ہو۔"

"بابا جی ہم لوگ سارے ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔"

"چنگا پُتر اپنے ساس سُسر کی عزت کرنا نہیں تو لوگ کہیں گے عالم حیات آپ تو بیبا بندہ ہے۔ پر بیٹی بڑی

بدید ہے۔ اگر دھی پتر سوہنے اخلاق کا ہو۔ اُسکو لوگ تو پسند کرتے ہی ہیں۔ اُسکے ماں باپ کو بھی دُعا دیتے ہیں۔ کہ کسی نے اچھی تربیت کی ہے۔ اپنے ملک ضیاء کی مثال سامنے ہے۔ اتنا بیبا بندہ ہے کہ حد نہیں اور بیوی اتنی کپتی کہ گل ائی چھڈو۔۔۔'' اُنکی باتیں تو شائد بہت لمبی جاتیں مگر عبداللہ کے فون پر ہونے والی بیل نے سب کی توجہ کھینچ لی۔ عبداللہ نے جیب سے فون نکال کر نمبر دیکھا اور فون رُباب کی جانب بڑھا دیا۔

''تمہاری نند کا فون ہے۔''

''میری نند کے پاس تمہارا نمبر کہاں سے آ گیا۔'' سب ہی رُباب کی بات پر ہنسنے لگے۔ جبکہ وہ وڈیو کال آن کر چکی تھی۔

'' ہیلو۔۔۔'' رُباب کے سامنے نظر آنے والا چہرہ لُبنٰی کا تھا۔ جو کہہ رہی تھی۔

''تم تو میکے میں بڑی خوش بیٹھی ہو گی۔ یہاں ہریرہ کے بغیر کسی کا دل نہیں لگ رہا۔ بار بار خالو اپنے فون میں سے اسکی وڈیو نکال نکال کر دیکھ رہے ہیں۔ اور کیا تمہاری لائٹ گئی ہوئی ہے۔ اس قدر اندھیرا کیا ہوا ہے۔''

''لائٹ تو ہے۔ مگر میں گھر سے باہر ہوں۔ بلکہ تمہیں دیکھاتی ہوں۔ میں کس قدر دلچسپ چیز اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔''

اُس نے بیک کیمرہ آن کر کے کڑاہی کا منظر لُبنٰی کو دِکھایا۔ جس کو کوئی سمجھ نہ آئی کیا ہو رہا ہے۔

''کیا کسی حلوائی کی دُکان پر گئی ہو؟''

''اندھی لڑکی غور سے دیکھو۔ یہ حلوائی نہیں ہے۔ بلکہ گُڑ بن رہا ہے۔ ابھی ابھی میں نے گرم گرم کھایا ہے۔ ابھی پوری طرح تیار نہیں ہوا۔ پر مزا ایسے آیا جیسے کیک ہو۔''

''گُڑ کیا ہوتا ہے؟ کیا دودھ سے بننے والی کوئی مٹھائی ہے؟'' لُبنٰی کے معصوم انداز و بیاں میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں سب سے اونچا قہقہہ عبداللہ کا تھا۔ مذاق اُڑاتے ہوئے بولا۔

'' ممی ڈیڈی عوام۔۔۔'' دوسری طرف لُبنٰی نے سُن لیا۔ اُسی وقت تڑخ کر بولی۔

''ممی ڈیڈی کس کو بول رہے ہیں۔ آئی ایم آ دیسی گرل۔۔۔''

''ہاں گُڑ تک کا پتا نہیں کیا ہے۔ اور آئی بڑی دیسی گرل۔۔۔''

"دیکھیئے میں تو کراچی شہر میں پیدا ہوئی کراچی لاہور اسلام آباد کے چکروں کے دوران جوان ہوئی نہ کبھی کسی دیہات میں رہی نہ آئی گئی۔تو مجھے کیا علم یہ سب کیا ہے۔آپ جو آج صرف اپنی بہن کو لیکر شوں سے نکل گئیے۔مجھے بھی ساتھ لے جاتے تو کم از کم میں یہ ہی جان پاتی کہ آخر گڑ کیا بلا ہے۔"

"ہم نے دعوت دی تو ہے۔جب جی چاہیں آئیں موسٹ ویلکم آپ کو سارے دیسی آئٹم دیکھا کر ہی بھیجیں گے۔میسم بھائی گھر پہنچ گئے؟" رباب نے دل میں بھائی کو دعا دی کیونکہ وہ بھی یہی جاننا چاہ رہی تھی۔جو عبداللہ نے پوچھ لیا۔

"ہاں جی ابھی پندرہ منٹ پہلے ہی پہنچے تھے۔کپڑے وغیرہ بدل کر پھر کہیں چلے گئے ہیں۔ذرا ہریرہ کو سامنے لائیں اُسکی دادو دیکھنا چاہ رہی ہیں۔" رُباب بروقت سنبھل کر بتانے لگی۔

"ہریرہ گھر پہ ہے اور سو گیا ہے۔"

اُسکا دل ایک دم سے ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔فون پہ باتیں کرتی کرتی گھر کو آ گئی۔لُبنٰی اور ملیحہ نے کل آنے کا وعدہ کر کے فون رکھ دیا۔نماز پڑھتے دوران بھی اور بیڈ پر لیٹ کر نیند کا انتظار کرتے ہوئے بھی۔ایک ہی سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"کیا کل کی طرح آج بھی وہ گھر سے باہر کسی حسینہ سے ملنے گئے ہیں؟

وہ تو کہتے تھے۔تم بہت پیاری ہو۔کیا وہ سب جھوٹ تھا؟"

اگر اُن کو مجھ سے محبت ہوئی تھی۔تو یہ کیسی محبت ہے؟۔جو ایک جھٹکا بھی برداشت نہیں کر پائی ہے۔میں نے تو کوئی دعوے نہیں کیئے تھے۔پھر جو لوگ دعوے کرنے والے ہوں۔وہ کیوں بدل جاتے ہیں؟

" کیا میری غلطی اتنی ہی بڑی ہے کہ مجھے معافی ہی نہ دی جائے؟

یہ شخص میرے دل و دماغ سے اُترتا کیوں نہیں ہے؟ میں اسکو سوچ سوچ کر تنگ کیوں نہیں آتی ہوں؟ مجھے اب اچانک سے علیحدگی کا خیال بُرا کیوں لگنے لگا ہے۔۔۔" یونہی سوچتے سوچتے اُسکی آنکھ لگ گئی۔امی اُس کے ساتھ سوئی تھیں۔ہریرہ رات میں اُٹھا انہوں نے ہی اسکو سنبھال لیا۔رُباب کو نہیں اُٹھایا۔

☆......☆......☆

صبح وہ جلدی اُٹھ گئی۔نماز پڑھی سارے گھر کا چکر لگا یا۔

ابو جی کو لسی دینے اُنکے کمرے میں گئی تو قدم دہلیز پر جم کے رہ گئے۔ ابو کے بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار پر اُسکی کھینچی گئی تصویر بڑے سے فریم میں لگی ہوئی تھی۔تصویر سرسوں کے کھیت کی تھی۔جس کے اینڈ پر دو فرد نظر آ رہے تھے۔تصویر میں پہچاننا مشکل تھا مگر وہ جانتی تھی وہ دو لوگ کون ہیں۔ایک طرف پگڈنڈی پر درختوں کی لائن نظر آ رہی تھی۔ساتھ سڑک کا تھوڑا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔جس پر بیل گاڑی جا رہی تھی۔ غروب آفتاب کی روشنی نے سارے منظر کو ایک عجیب ہی کشش دی ہوئی تھی۔

وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ابو کو تو اُسکا شوق اچھا ہی نہیں لگتا تھا۔آج اُن کے کمرے میں اس تصویر کی موجودگی بغیر کہے ہی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ابو نے اُسکو غور سے تصویر کو دیکھتے دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولے۔

''تمہارا سارا کام بہت اچھا ہے۔مجھے ہمیشہ بہت حیرت ہوتی تھی۔کیسے تم ہزاروں دفعہ کے دیکھے منظر کو ہمیشہ ایک نئے انداز میں قید کرتی ہو۔مگر یہ الگ بات ہے۔میں نے کبھی تمہیں بتایا نہیں تھا۔تمہاری ماں نے بتایا تھا۔ساری اچھی والی تصویریں تم نے نمائش میں رکھی تھیں۔یہ جاننے کا موقع ہی نہیں ملا کہ اُنکا کیا بنا۔''

''آپکو یہ تصویر کہاں سے ملی۔۔۔؟''اُس نے لسی کا بڑا سا گلاس ابو کو تھماتے ہوئے پوچھا جو مسجد سے واپس آ کر قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔

''تمہاری الماری کے شیشے پر لگی ہوئی تھی۔وہاں سے اُتار کر ایک دن عبداللہ کو دی وہ اسکو بنوا لایا تھا۔تب سے یہیں لگی ہے۔''

''تھینک یو ابو۔۔۔۔میری دوستوں نے میرے کام کی تعریف کی۔۔۔اُستادوں نے کی مگر آج تک میرے دل میں یہ یقین نہیں بیٹھا تھا کہ آیا واقعی میں فوٹو گرافی کر سکتی ہوں۔پر ابھی آپ کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر آخر کار میں خود کو فوٹو گرافر کہہ سکتی ہوں۔''

''حالانکہ میری طرف سے رائے سب سے پہلے آنی چاہیے تھی۔مگر میں ہمیشہ ہی اپنی رائے خود تک رکھتا رہا ہوں۔''

''صرف میرے معاملے میں عبداللہ کی تو آپ کھُلے عام تعریف کرتے تھے۔''عالم دھیرے سے مُسکرائے

"ہاں اُس نے سائنس جو رکھی ہے۔"

"آئی ایم سوری کہ میں نے آپ کو وہاں پر مایوس کیا۔ پر یقین مانیں سائنس سے مجھے نفرت نہیں ہے۔ بس اُس میں دل نہیں لگا۔"

" ہاں ہاں دل کیمرے کے لینز میں جو اٹکا ہوا تھا۔"

ابو کے مذاق کرنے پر وہ کُھلے دل سے ہنسی۔ وہ پُر سوچ نگاہوں سے اُسکو دیکھتے ہوئے بولے۔

"میرا حق تو نہیں کہ تم سے کُچھ مانگ سکوں پھر بھی جسارت کر رہا ہوں۔"

"ہائے ابو ایسے تو نہ بولیں۔۔۔آپ بس حکم کریں۔"

"میں چاہتا ہوں۔تم جا کر ضیاء سے مل آؤ۔ اسکو تمہارے آمد کی خبر تو پہنچ گئی ہو گی۔ بیوی کی زُبان کی وجہ سے ایک دم سے ملنے نہیں آ پائے گا۔ مگر وہ تم سے ملنے کو بڑا بے چین ہو گا۔ جا کر ایک دفعہ مل آؤ۔۔۔"

"آپ کہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں۔ ورنہ چچی کے روبرو ہونا نہیں چاہتی ہوں۔"

"تم اُسکو چھوڑو چچا کو دیکھو۔ اور اُسکو بولنا شارق کو اب معاف کر دے۔ تمہاری بات مان جائے گا۔"

"جی ابو۔۔۔"

ابو نے لسی پی تو وہ برتن لیکر نکل آئی۔ امی نے تو نہ جانے کیا کُچھ بنانے کا پروگرام کیا ہوا تھا۔ مگر اُس نے منع کرتے ہوئے بس آلو والے پراٹھوں کی فرمائش کی۔ امی کے پاس گاؤں کی کئی خواتین لسی لینے آتی تھیں۔ کُچھ امی کا اخلاق ایسا تھا کہ سارے گاؤں میں اُنکی عزت ہی کی جاتی تھی۔ ہر آنے والی بڑے اشتیاق و خوشی سے اُسکو مل رہی گئی۔ اُنہوں نے جا کر جس جس کو بتایا وہ رُباب کو ملنے آ گئی۔ ہریرہ کو دیکھنے کے لیے عورتیں اور بچے جس قدر بے تاب تھے۔ وہ اُتنا ہی مزے کی نیند سو رہا تھا۔

وہ باہر لان میں آئی۔ گھاس کی تہہ ایسے ہی معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے کارپٹ بچھا ہوا ہو۔ جنگلی گلاب اور کُچھ دوسرے پودے پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ نظر ساتھ والی عمارت پر گئی تو وہ اپنے قدم روک نہیں پائی۔ گیٹ سے نکل کر چاچو کے گھر کی جانب آ گئی۔ باہر کا گیٹ کُھلا ہوا تھا۔ دونوں گھر ایک ہی نقشے اور ایک ہی طرز پہ بنے تھے۔ باہر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ بے آواز قدموں سے چلتی وہ داخلی دروازے تک آ گئی۔ گھر کے اندر باہر بچپن کی کئی

یادیں بکھری پڑی تھیں۔ جن کو دیکھتی ہوئی وہ اندر داخل ہوئی۔

پہلی آواز کشمالہ چچی کی ہی تھی۔

"میرے سے شرط لگا لو ضیاء حیات تمہاری بھتیجی کو اُسکی سُسرال نے گھر سے نکال دیا ہے۔ تبھی آئی ہے۔ وہ شریفاں بتا کر گئی ہے۔ ایویں عام سا گرم سوٹ پہنا ہوا ہے۔ نہ کان میں کوئی زیور نہ ہاتھ بازو پہ۔۔۔ بیاہی تو لگ ہی نہیں رہی۔ تمہاری بھرجائی نے تو بڑا منہ کھول کر سب کو بتایا تھا۔ بڑے کھاتے پیتے گھر میں بیٹی بیاہی ہے۔ پر یہ بھول گئی تھی۔ کھاتے پیتے ہونے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ شریف بھی ہونگے۔ نہیں نا لگا یا کسی نے منہ تبھی ایسے بُرے حال میں ماں بھائی کے ساتھ آئی ہے۔"

"جب تمہارا میرے بھائی اور اُسکے بچوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اُنکی جاسوسی کیوں کرتی رہتی ہو۔ پہلے ہی تم نے اُس بچی کا بڑا نقصان کیا ہے۔ اب اپنی زبان کو لگام دو اور چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔۔۔"

"تم مجھے تو غصے کے زور پر چُپ کروا لو گے۔ باقی دنیا کو کیا جواب دو گے۔ اسی میسنی لڑکی کی وجہ سے تم نے میرے بیٹے کو گھر سے نکالا ہوا ہے۔ آج وہ کھٹ کما کر واپس آ گئی ہے۔ اسی کی وجہ سے تم نے میرے بیٹے کے ساتھ سوتیلوں سا سلوک کر کے اُسکو گھر سے بے گھر کیا تھا۔ اب اگر نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو جا سکتی ہے۔ تو میرے بیٹے کی سزا بھی ختم کرو۔ بڑی سزا کاٹ لی ہے۔ ہم لوگ اب مزید برداشت نہیں کریں گے۔"

"تم لوگوں کو پہلے بھی کیا فرق پڑا ہے۔ تمہارے بیٹے نے ایک معصوم کی کردار کشی کی تم نے ایک دفعہ اُسکو نہیں پوچھا۔ بلکہ آج بھی اُس سے ملتی ہو۔ سارے رشتے دار تمہارے سے ملتے ہیں۔ میرا ایک ہی بھائی ہے۔ یہ دروازے کے ساتھ دروازہ ہے۔ اور تم نے مجھے اُس سے بھی دور کر دیا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ میں بے خبر بیٹھا ہوں۔ کیا میں نہیں جانتا ہر مہینے بیٹے کو کپڑے سلوا کر بھیجتی ہو۔ اُسکو جیب خرچ بھی برابر دیتی ہو اور یہ سب تم مجھ سے چوری کرتی رہی ہو۔ چھپا کر کہ کہیں میرے علم میں نہ آ جائے۔"

"میں کیوں نہ اُسکی مدد کرتی؟ میں اُسکی ماں ہوں۔ اور کس معصوم کی کردار کشی ہو گئی؟ میرا منہ نہ ہی کھلواؤ تو بہتر ہے۔ تمہاری تو آنکھوں پر بھائی کہ اندھی محبت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ورنہ حقیقت سے کون واقف نہیں

ہے۔"

"ہاں تمہیں تو غیب کے الہام ہوتے ہیں۔ تم اتنے چھوٹے ذہن کی عورت ہو۔ نائلہ کو بھی تم نے اپنے جیسا بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔ اسی لیے میں نے اُسکی جلد شادی کر دی۔ تمہارے ساتھ رہ رہ کر وہ بھی کوئی ذہنی مریض بن جاتی۔ جسکو اپنے آگے نہ کوئی انسان، انسان نظر آتا ہے۔ نہ وہ کسی کو خوش دیکھ سکتی ہے۔"

"بات تمہاری بھتیجی کی ہو رہی ہے۔ میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر۔۔۔۔۔"

"اُسکا ذکر اس لیے ہے۔ کیونکہ وہ مجھے تمہاری ساری پلاننگ کھول کر بتا چکی ہے۔ کیسے تم نے اُسے اُکسایا تھا کہ وہ اپنی اور رُباب کی دوستوں میں جھوٹی افواہیں پھیلائے تا کہ رُباب کی بدنامی ہو۔ اور تم بہو کہیں باہر سے لاؤ۔"

رُباب مزید نہ سُن سکی۔ اُلٹے قدموں واپس آ گئی۔ چاچو کی محبت پر تو کبھی ایک لمحے کو بھی شک نہیں ہوا تھا۔ پر چچی اس قدر گری ہوئی سوچ کی مالک ہونگی اسکا آج ہی اندازہ ہوا تھا۔ اتنی عورتیں ملنے آئیں۔ کسی نے گزرے وقت کے حوالے سے کوئی پتھر نہ مارا تھا۔ بلکہ ہر کوئی منہ سر چوم کر ملی تھی۔ اُن لمحات میں رُباب پر ایک بات واضح ہوئی تھی۔ لوگ یہ نہیں یاد رکھتے کسی نے آپ کے بارے میں کیا کہا یا کیا نہیں کہا۔ لوگ آپکا کردار یاد رکھتے ہیں۔ اسی گاؤں میں وہ رہی تھی۔ لوگ اُسکو جانتے تھے۔ بکھری افواہیں کب کے بھول چکے تھے۔ وہ آج بھی اُنکے لیے وہی معصوم رُباب تھی اور جس عورت نے سب سے پہلے اُسکے خلاف زُبان کھولی تھی۔ وہ آج بھی اپنی ہی نفرت میں جل کر خاک ہو رہی تھی۔ گھر آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ سوٹ کیس کھول کر سفید کام والا سوٹ نکالا جس پر گولڈن دھاگے کا کام ہوا تھا۔ ملازمہ کو آواز دیکر اُسے استری کرنے کا بولا۔ خود شاور لینے چلی گئی۔

ہریرہ ابھی تک بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ ویسے بھی وہ نو دس بجے سے پہلے اُٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ لباس پہننے کے بعد اُس نے ڈرائیر سے بال سُکھائے اور اُسی طرح کُھلے چھوڑ دیئے۔ فُل میک اپ کیا۔ اپنی ساری جیولری نکال کر پہنی۔ دونوں ہاتھوں پر آٹھ آٹھ چوڑیاں، پٹی سیٹ اور ساتھ بڑے بڑے جھمکے، ماتھے پہ جھومر لگایا اور ساتھ ساتھ حیران ہوتی رہی کہ میری ساس آخر کتنی دور اندیش عورت ہیں۔ جنہوں نے مجھے بضد یہ سب

ساتھ لانے کا کہا۔ گولڈن نیٹ کا بڑا سا دوپٹہ شانے پر ڈالا۔ پرفیوم چھڑکا۔ گولڈن ہیل نکال کر پہنی۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہوکر خود پر ایک تنقیدی نظر ڈالی۔ دونوں انگوٹھے اوپر کر کے خود کو آل گڈ کا سگنل دیا اور باہر نکل آئی۔

کچن کے دروازے میں کھڑی ہوئی امی تو اُسکو دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''تم کہیں جا رہی ہو؟''

''ہاں آپکی دیورانی کو ذرا اُنکے سٹائل میں ملنے جا رہی ہوں۔ آجائیں آپ بھی۔۔۔''

''نہیں واری صدقے تم ہی جاؤ۔۔۔ پر جلدی آجانا۔۔۔ کھانا تقریباً تیار ہے۔''

''ابھی آئی۔۔۔''

ابھی گیٹ سے دور ہی تھی۔ جب باہر ایک گاڑی رُکی ساتھ ہی ہارن دیا۔ جو کہ جانا پہچانا سا تھا۔ اُسکے اندر خوشی کی لہر دوڑی۔ تیز تیز قدموں سے آگے آئی۔

گیٹ کھولا۔ نظر سیدھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اُس دُشمنِ جاں پر پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔ اُسکو گاان گھڑیوں میں اپنے اللہ سے جو بھی مانگتی وہ ضرور ملتا۔ اور جو مل گیا تھا۔ اُسکے بعد کسی اور کی طلب نہ رہی تھی۔ اُس نے ایک دفعہ پھر ہارن مارا۔ رُباب کے وجود میں حرکت ہوئی۔ اُس نے پورے کا پورا گیٹ وا کر دیا۔ جیسے اپنے دل کے دروازے وا کیئے تھے۔ گاڑی اندر آکر رُکی تو۔۔۔ اگلے پچھلے دروازے دھم دھم کُھلے بند ہوئے۔ ملیحہ، لُبنیٰ بلال اُسکو تعجب سے سرتاپا دیکھ رہے تھے۔ سب سے پہلے لُبنیٰ بولی۔

''تمہارے یہاں کیا لڑکیاں میکے میں اس اہتمام سے تیار ہوکر آنے والوں کا استقبال کرتی ہیں؟ ہم نے تو فون بھی نہیں کیا تھا۔ پھر تمہیں کیا خواب آیا کہ میسم آرہا ہے۔ جو یہ سولہ سنگھار کیئے ہیں۔''

جواب میں رُباب ہنسی تو ہنستی چلی گئی۔ وہ جو بڑے موڈ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا منصوبے بنا رہا تھا کہ جب آکر مجھے باہر نکلنے کو بولے گی تو میں کہہ دونگا۔ میں یہاں صرف ان بے صبرے لوگوں کو چھوڑنے آیا تھا۔ جنہوں نے اُٹھتے ہی سر کھایا بلکہ زبردستی نیند سے اُٹھایا کہ میں انکو وہاں چھوڑ کے آؤں جہاں گُڑ بنتا ہے اور اب میں واپس جا رہا ہوں۔ پر جب رُباب کی ہنسی کی آواز سُنی سائیڈ مرر سے تصدیق کرنے کی دیر تھی۔ وہ بے اختیار گاڑی میں سے نکل آیا۔ ایک تو ظالم کا سجا سجایا روپ اوپر سے یہ ادائیں۔۔۔ پہلی دفعہ اُس نے رُباب کو یوں بے ساختہ ہنستے

دیکھا تھا۔وہ کچھ بھی کہے بغیر اُسکے قریب آئی۔اور بڑے استحقاق کے ساتھ اُسکا بڑا سا ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔ بے دھڑک ہو کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔بڑے اعتماد سے بولی۔

”میسم طلال میں رُباب عالم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بعد ان تین لوگوں کو جو یہاں پر موجود ہیں۔ اس باغ کے سب پھولوں کو ہری ہری گھاس کو تمام پرندوں کو اور جو عبداللہ کا کُتا گیٹ سے باہر کھڑا ہو کر آپ سب کو گھور رہا ہے۔ان سب کو گواہ مان کر یہ اعلان کرتی ہوں۔آپ میسم طلال میرے شوہر ہیں اور مجھے آپ سے بہت زیادہ محبت ہے۔“

میسم مسمرائز ہو کر بے یقین نظروں سے اُسکو دیکھ رہا تھا۔باقی تینوں خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔لُبنیٰ باقاعدہ ناچ رہی تھی۔ملیحہ نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے ہوئے تھے اور ڈبڈبائی آنکھوں میں پیار سموئے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔جبکہ بلال جیب سے فون نکال کر وڈیو بنانے لگا۔ ساتھ ساتھ اُسکے لب مُسکرا رہے تھے۔ رُباب ان سب سے بے نیاز کہہ رہی تھی۔

”میں نے آپکو بہت تنگ کیا ہے۔بہت ذہنی پریشانی سے دوچار کیا ہے۔آج ان سب کی گواہی میں اپنی ہر غلطی کی معافی مانگتی ہوں۔آپ جیسا اچھا اور کھرا انسان وہ سب ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔جو کُچھ میں نے کیا اُسکی وجہ سے آپ باخوبی واقف ہیں۔پر آج میں اپنا خلع کا مطالبہ واپس لیتی ہوں۔مجھے آپ سے طلاق نہیں چاہیے۔ مجھے آپ کے گھر کے علاوہ کوئی گھر اپنا نہیں لگتا۔جو تعلق اللہ کے نام پر قائم ہوا تھا۔آپ نے اُسکو پورے تقدس سے نبھایا۔آپ دُرست تھے۔میں غلط تھی۔میں نے آپ کا دل توڑا۔آپ کی جذبات کی تضحیک کی۔۔۔۔ اپنے اس رشتے کی قدر نہ کی۔ٹھیک ہے۔مشکل آئی تھی۔پر اللہ نے مجھے اتنے اچھے ساتھ سے بھی تو نوازا ہے۔ پلیز کیا آپ مجھے معاف کر سکتے ہیں؟ آج پہلی اور آخری دفعہ معاف کر دیں۔“

میسم نے اپنی نظریں اُس کے چہرے پر سے ہٹائیں۔اپنا ہاتھ چھڑوایا اور دوسری جانب جاتے بولا۔۔۔۔

”تم ایک انتہائی خطرناک خاتون ہو۔ایک تو ہر حال میں اچھی لگتی ہو۔اوپر سے آج اظہارِ محبت کرنے کے لیے کیا خوب سیٹنگ کا انتخاب کیا ہے۔پھر پوری تیاری کے ساتھ حملہ آور ہو رہی ہو۔میرے جیسا انسان یوں

خوشی سے جذباتی ہو کر کوئی ردِعمل دیکھا دیتا۔ ہو گیا تھا نہ پھر میں مشہور لوگ وڈیو بنا رہے ہیں۔ بس اس لیے اس وقت عدالت اپنا فیصلہ محفوظ کر رہی ہے۔ اور جب دونوں فریقین کے مابین تنہائی میسر ہو گی۔ تب میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دونگا۔۔۔'' اپنی بات پوری کر کے وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ملیحہ نے رُباب کو گلے مل کر مبارک دی۔۔۔۔

بلال بھی وکٹری کا نشان دیکھاتا اندر چلا گیا۔۔۔

ملیحہ اور لُبنٰی کو بھی اندر جانے کا بول کر خود اُس نے باہر کو قدم بڑھائے۔۔۔۔

''تم خود کہاں جا رہی ہو؟''

''میں کسی کا قرض سود سمیت اُسکو واپس لوٹانے جا رہی ہوں۔''

''جلدی واپس آنا۔۔۔''

اُس نے مُسکراتے ہوئے لُبنٰی کو تسلی دی۔ ''یوں گئی اور یوں آئی۔۔۔''

چاچو اُسکو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے تھے۔ پر چچی بیچاری کے تاثرات چُھپائے نہیں چھپ رہے تھے۔ جتنی دیر رُباب وہاں بیٹھی بس میسم اور اُسکی ماں بہن اور باپ کی تعریفیں کرتی گئی۔

''میری ساس کا تو بس نہیں چلتا ورنہ وہ میرا ہر کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ بیاہ کر کہیں غیر جگہ پر گئی ہو۔ وہ تو میرے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ نہ جانے میری کونسی نیکی مجھے میسم کی شکل میں ملی ہے۔ ایک پل اُنکو نظر نہ آؤں تو وہ ہر چیز بھول جاتے ہیں۔ کہیں چلی جاؤں تو اُنکا میرے بغیر دل نہیں لگتا۔ اسی لیے تو اتنا عرصہ میں یہاں نہیں آ پائی۔ اب یہی دیکھ لیجئے کل رات کو میں آئی ہوں۔ دن چڑھتے ہی میری نندیں اور دیور میسم کے ساتھ آ گئے ہیں۔ اصل میں ہریرہ کے بغیر اب گھر پہ کسی کا دل نہیں لگتا۔ کل تک امی ابو بھی پہنچ جائیں گے۔''

اور بھی نہ جانے کیا کیا جتا گئی۔ چاچو دھیمے سے مُسکراتے رہے۔ چچی تب تو بڑی بہادری سے دانت دِکھاتی رہی۔ مگر جیسے ہی چاچو سے وعدہ لیکر وہاں سے نکلی کہ وہ اب شارق کو معاف کر دیں گے اور گھر آنے کی اجازت بحال کر دیں۔ چچی کی واضح بڑبڑاہٹ سُنائی دی۔ جو کہہ رہی تھیں۔ ''یہ اب میرے گھر کے فیصلے کریں گی۔''

جواب میں چاچو نے کیا کہا اُس نے سُننے کا تجسس نہیں پالا کیونکہ اُسکو اپنے گھر جانے کی جلدی تھی۔ جہاں اُسکی کل کائنات بس رہی تھی۔

انسان کی زندگی میں کبھی کبھی چند پل ایسے بھی آجاتے ہیں۔ جو اُسکو سچ سے روشناس کرواتے ہیں۔ ایسا ہی پل رُباب پر آکر گزر گیا تھا۔ جس میں وہ ایک بات سمجھ گئی۔ میسم بن زندگی ادھوری تھی۔ یہ نہیں تھا کہ حالات کے بدلتے ہی اُسکے دل میں میسم کی محبت جاگ اُٹھی تھی۔ بلکہ یہ جذبات دل میں چُھپے بیٹھے تھے۔ جو آج ظاہر ہو گئے تھے۔ وہ اپنے دھیان میں چل رہی تھی جب ڈرائینگ روم کے دروازے کے آگے سے گُزرنے لگی۔ دروازے کے پار سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور اُسکو اپنے ساتھ کھینچ کر دروازے کے پیچھے لے گیا۔

اس اچانک افتاد پر اُس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے بچی کیونکہ اندر کھینچنے والا کوئی اور نہیں خود میسم ہی تھا جو اُسکو بند دروازے کے ساتھ کھڑا کر کے دونوں جانب سے اُسکے سامنے راستہ بند کئے کھڑا تھا۔ چہرے پر گہری سنجیدگی آنکھوں میں ناقابلِ فہم تاثرات۔ رباب نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زُبان پھیری۔ ایک آدھ گہرا سانس کھینچ کر اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی مگر جیسے یک ٹک وہ اسکو دیکھ رہا تھا۔ رُباب کو سانس لینا مشکل عمل لگ رہا تھا۔

”ہاں تو بیگم جی ذرا اپنے الفاظ تو دہرانا۔۔۔ تب میں صحیح سے سُن نہیں سکا تھا۔“

رُباب کا سارا اعتماد ڈھوا ہو چُکا تھا۔

”ایم سوری مگر میں نہیں جانتی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”کوئی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔ باہر میرے بھائی بہنوں کے سامنے کچھ اظہارِ محبت سا کر رہی تھیں۔“

”اچھا وہ۔۔۔“

”ہاں وہ۔۔۔“

”ایم سوری۔۔۔ آپ کو غور سے سُننا چاہیے تھا۔ کیونکہ مجھے تو یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے کیا کہا تھا۔ بس جذبات میں جو منہ میں آیا بول گئی۔“ میسم اُسکی شرارت کو بڑی اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ بھنویں اوپر اُٹھا کر بولا۔

”خاتون اگر وہ تمہارا جذباتی پن تھا تو تم سے ریکوسٹ ہے۔ دن کے چوبیس گھنٹے ہی جذباتی رہا کرو۔ اچھی

لگتی ہو۔"

"خیر یہ بات تو رہنے ہی دیں۔ آپکو تو اور بھی بہت سے چہرے اچھے لگنے لگے ہیں۔۔۔"

"مثلاً۔۔۔؟" وہ ہونٹ دانتوں میں دبا کر مُسکراہٹ چھپاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اور وہ اُنگلیوں پر گنتے ہوئے بولی۔

"مثلاً سنی لیونی۔۔۔۔دیپکا۔۔۔۔ایمان۔۔۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔بس؟؟"

"ہاں ابھی تک کی تحقیق سے یہی سامنے آئی ہیں۔آگے تو نہ جانے اور کون کون منظر پہ آئے۔"

"تم تو انتہا کی جیلس عورت ہو۔"

"ہاں ہوں۔۔۔۔آپ کو اسی جیلس عورت کے ساتھ ہی ساری عمر گُزارنی پڑے گی۔"

"کوئی زبردستی ہے۔ مجھے چار شادیوں کی اجازت ہے۔ابھی صرف ایک شادی کی ہے۔تین آپشنز مزید موجود ہیں۔"

"آپ کی بدقسمتی کہہ لیں۔یا جو مرضی مگر صرف ایک ہی سے گُزارا کرنا پڑے گا۔آپ پہلے ہی بے ایمانی کر چکے ہیں۔اُسکے لیے ابھی میں نے آپکو معاف نہیں کیا۔"

"کونسی بے ایمانی؟"

"ہاؤ انوسینٹ۔۔۔۔یعنی یہ بھی مجھے ہی بتانا پڑے گا؟"

" ظاہری بات ہے۔"

"آپ نے کل رات کہاں گُزاری؟ پرسوں کس سے ملنے گئے تھے؟ میرے حصے کے گجرے اُس لڑکی کو کیوں دیئے؟"

"ان سوالوں کا جواب میرے پاس موجود ہے۔اس سے پہلے مجھے تم سے جواب چاہیے۔اتنی جلدی میرے بارے میں رائے کیسے بدل گئی۔کل تک علیحدگی چاہیے تھی۔آج سرِ عام اظہار کر کے مجھے متوجہ کرلیا۔ ماجرہ کیا ہے؟ رات کے رات کیسا انقلاب آیا ہے؟"

”انقلاب رات کے رات نہیں آیا۔ساری رات میں پریشان رہی تھی۔ مجھے لگا میں آپکو کھو چکی ہوں۔آج میں نے اپنی چچی کے خیالات سُن لیے تھے۔تب مجھے اندازہ ہوا۔میرے اجتناب سے نقصان صرف میرا ہوا ہے۔اور کسی کا کُچھ نہیں گیا۔اور یہ کہ میری عزت آپکے ساتھ میں ہے۔لوگ اب مجھے اکیلا قبول نہیں کریں گے۔ میرے ساتھ آپکا حوالہ ہے۔ جو مجھے معتبر رکھتا ہے۔ جب آپکو یہاں دیکھا تو مجھے لگا آپ کو پوری طرح نہیں کھویا۔کیونکہ اگر آپ کو مجھ سے نفرت ہوتی یا مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکے ہوتے تو ملیحہ لوگوں کو لیکر خود نہ آتے۔ بس اُسی لمحے فیصلہ ہو گیا۔آگے بڑھ کر مجھے آپ کو آپ سے مانگنا ہے۔اپنی غلطیوں کی معافی مانگنی ہے۔“وہ نم آنکھوں سے بولتی جا رہی تھی۔

میسم نے اُسکے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش کروا دیا۔

”اگر تم نے ایک لمحے کو بھی یہ سوچا کہ ہمارے راستے جُدا ہو سکتے ہیں۔تو یہ تمہاری غلط فہمی تھی۔میں تو صرف تمہاری بے حسی کو چیختنے کے لیے سارے ڈرامے کر رہا تھا۔ میں نے تم سے محبت کی ہے رُباب میسم کوئی مذاق نہیں کیا۔میں تو بس یہ جاننا چاہتا تھا۔آیا تم اوپر اوپر سے مجھ سے دور جانے کی بات کرتی ہو۔یا واقعی تمہارے دل میں میری کوئی جگہ نہیں ہے۔اسکا جواب تو مجھے تمہیں ساڑھی میں دیکھ کر ہی مل گیا تھا۔بیگم صاحبہ نے مجھے فون پہ لڑکی سے بات کرتے کیا سُنا ساری رات نیند آنکھوں سے دور رہی۔تب میں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔یار حوصلہ رکھ یہ تیری ہی ہے۔“

”اچھا سارا کُچھ سمجھ لینے کے باوجود پھول اُس لال پری کو دے دیئے۔گانا بھی اُسکے لیے گایا۔“اُس نے میسم کے دل پر مُکا مارا۔

جواب میں اُس نے اُسکا نازک ہاتھ تھام لیا۔دلکشی سے اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی سفید بے داغ قمیض کی جیب میں سے ایک پیکٹ نکالا اور رُباب کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔وہ حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اُسکو دیکھ رہی تھی۔

”کھول کر دیکھ لو۔۔۔۔“

رُباب نے لفافہ وا کیا تو سامنے مُرجھائے ہوئے موتیے اور گلاب کے پھولوں کے دو گجرے تھے۔رُباب

کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"میں تمہارا حق کبھی کسی کو نہیں دے سکتا۔ میں تمہارے حقوق کا محافظ بنایا گیا ہوں۔ چور نہیں۔۔۔۔ میں تمہارا لباس بنایا گیا ہوں۔ پھر میں تمہیں رُسوا کیسے کر سکتا ہوں۔ دوسرے لوگوں میں تمہاری سبکی کیسے کر سکتا ہوں۔ کسی اور عورت کو یہ فخر کیسے دے سکتا ہوں۔ کہ وہ میرا قُرب پا کر خود کو تم سے آگے سمجھے۔۔۔ وہ گانا بھی تمہارے لیے گایا تھا۔ وہ لڑکی بھی تمہیں بولنے پر مجبور کرنے کے لیے بُلائی تھی۔ ورنہ آئی ہیو تھنگ ٹو ڈو وید ہر۔۔۔ پرسوں رات بھی ہاسپٹل میں تھا۔ آج رات بھی دوست کے ابو کا آپریشن ہوا ہے۔ اُسی کی ہمت بڑھانے کو اُدھر رُکا رہا۔ ویسے بھی تمہارے بغیر مجھے کونسا گھر پہ نیند آجانی تھی۔"

رُباب نے ہتھیلی کی پُشت سے آنسو صاف کیئے۔

"مجھے لگتا ہے۔ باقی کی زندگی میں اپنے ابو کا شُکریہ ادا کرتے گُزاروں گی۔ جنہوں نے زبردستی میری آپ سے شادی کروادی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شُکر ہے۔"

میسم کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔ رُباب کو اپنی بانہوں کے حصار میں لیکر اُسکی پیشانی پہ لب رکھتے ہوئے اُس نے سرگوشی کی۔

" تھینک یو۔۔۔"

بند آنکھوں کے ساتھ اپنا سر اُسکے سینے میں چھپا کر وہ مسکُرادی۔ پُرسکون سی مُسکراہٹ جس میں تشکر شامل تھا۔ باہر سے دروازے پر دستک دیکر متوجہ کیا گیا۔

"ہیلو رومیو جولیٹ باہر نکل آؤ بھوک مزید انتظار کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔"

میسم نے دروازہ کھول کر لُبنٰی کو گھورا۔۔۔

"کھانے کے علاوہ کوئی اور بات آتی ہے۔"

"ہاں مگر آپ کو پسند نہیں آنی۔۔۔ وہ فیصل کی امی کا نمبر مل سکتا ہے۔" وہ تینوں باہر کو جارہے تھے۔

"اُسکی امی سے تمہارا کیا کام۔۔۔"

"اصل میں سوچ رہی ہوں۔ لڑکے کو پٹانے کی بجائے اُسکی اماں کو پٹالیتی ہوں۔"

”ہاں کیوں نہیں پھر تو تم فیصل کی منہ بولی بہن کہلاؤ گی۔“

”استغفراللہ۔۔۔آپ کے منہ میں کڑوا بادام۔۔۔“

”وہ ایک شریف انسان ہے۔اُسکا پیچھا چھوڑ دو۔“

”خوب بنے گی جب مل بیٹھیں گے دو شریف ایک میں اور ایک فیصل۔۔۔“

”عبداللہ یار جب اسکو گرُ بنتا ہوا دِکھانے لے جاؤ تو ایک احسان کرنا اسکو کڑھائی میں ہی دھکا دے دینا۔“ میسم کی بات پر لُبنیٰ اُسکو گھورتی ہوئی قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

”پٹو گی میرے ہاتھوں۔۔۔۔“

اسی طرح شراتوں اور باتوں کے دوران اُن لوگوں نے باہر لان میں دستر خوان لگا کر آلو کے پراٹھے' ساگ مکئی کی روٹیوں اور لسی کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ دھوپ میں بیٹھنے کا الگ مزا آرہا تھا۔ ہریرہ کی قلقاریاں، بڑوں کے قہقہے ایک مکمل جاندار خوش باش گھرانے کا سین تھا۔نبیلہ نے بیٹی کے پُرسکون چہرے کو دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔۔

ماں باپ کی دُعاؤں کے بعد ایک مخلص جیون ساتھی اللہ کا بڑا انعام ہوتا ہے۔میسم اور رُباب میسم ان دونوں لحاظ سے خوش قسمت لوگ تھے۔